لیکچر نمبر1: مبادیاتِ اسلام-I (ماڈیول1-1: دین اسلام کا تعارف)

دین اسلام ایک ایسا دین ہے جو دیگر ادیان و مذاہب کے مقابل واضح عالمگیر حیثیت کا حامل ہے۔ یہ وہ ضابطہ حیات ہے جو فطرت کے اصولوں پر قائم ہے۔ یہ دین اپنے اصولوں، ضابطوں اور لچک دار فروعی قوانین کی وجہ سے بھی الگ اور منفرد تشخص کا حامل ہے۔ اسلامی شریعت کے قوانین کسی مخصوص قوم کے رسوم ورواج پر مبنی نہیں ہیں بلکہ فطرت کے ان اصولوں پر مبنی ہیں جن پر انسان کو پیدا کیا گیا۔ دراصل دین اسلام محض نظریہ نہیں ہے بلکہ ایک مکمل اور عملی نظام حیات ہے۔

اسلام کے لغوی معنی: لفظِ اسلام کا مادہ س.ل.م ہے۔ قرآن میں یہ لفظ سین پر زبر اور زیر دونوں کے ساتھ آیا ہے۔"سَلم" کے معنی امن، صلح اور سلامتی کے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلۡمِ فَٱجۡنَحۡ لَهَا۔ (الانفال:61)** ترجمہ: اور اگر وہ صلح کے لیے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ۔

سین پر زیر کے ساتھ اس کے معنی "اطاعت اور بندگی کرنا، جھکنا، سرِ تسلیم خم کرنا اور اپنے آپ کو کسی کی تحویل میں دے دینا" کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱدۡخُلُواْ فِي ٱلسِّلۡمِ كَآفَّةً۔ (البقرۃ:208)** ترجمہ: اے ایمان والو اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ۔

تمام انبیاء علیہ السلام نے دین اسلام کی دعوت دی۔ حضرت آدمؑ سے لیکر نبی اکرم ﷺ تک جو احکاماتِ الٰہی نازل ہوئے وہ سب دین کہلاتے ہیں اور اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُ۔ (آل عمران،19:3)**

اس طرح دین کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا اس کی تکمیل نبی اکرم ﷺ پر ہوئی۔ گویا اسلام دینِ کامل ہے جو قیامت تک کے لیے آیا ہے اور خود قرآن اس کی گواہی دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا۔** (المائدۃ، 5:3)

ترجمہ: آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح طور پر یہ بیان فرمادیا ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قابلِ قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَمَن يَبۡتَغِ غَيۡرَ ٱلۡإِسۡلَٰمِ دِينٗا فَلَن يُقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ۔** (آل عمران 85:3) ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اسلام کسی خاص قوم کا دین نہیں بلکہ ایک عالمگیر دین ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل انبیاء علیہ السلام کو کسی خاص قوم یا علاقہ کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا مگر نبی اکرم ﷺ کو پوری دنیا کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا جیسا کہ آپؐ فرماتے ہیں: **وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً ۔(البخاری، 335)** ترجمہ: ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں عمومی طور پر تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اسی طرح اسلام کسی خاص جنس یعنی صرف انسانوں کا دین نہیں بلکہ جنوں کے لیئے بھی یہی دین نازل کیا گیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی یہ حقیقت صریحاً بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةٗ لِّلنَّاسِ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗا (سبا، 28:34)** ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُمۡ جَمِيعًا (الاعراف158:7) کہہ دیں کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔

لیکچر نمبر 1: مبادیاتِ اسلام-I (ماڈیول 2-2: عقائدِ اسلام (ایمانیات))

بنیادی طور پر دین کے تین شعبہ جات ہیں۔ ایمانیات، عبادات اور معاملات۔ ایمانیات کا تعلق عقائد سے ہے۔

عقیدہ کے لغوی معنی: عقائد جمع ہے عقیدہ کی۔ لفظِ عقیدہ ع.ق. د یعنی عقد سے نکلا ہے۔ جس کے معنی مضبوط گرہ لگانا یا باندھنے کے ہیں۔

عقیدہ کے اصطلاحی معنی: عقائد سے مراد انسان کے وہ پختہ اور اٹل افکار و خیالات اور نظریات ہیں جن کی صداقت پر وہ مکمل یقین رکھتا ہے اور ان کو آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس بارے ایک معروف قول ہے: ماعقد علیه القلب و الضمیر" وہ پختہ نظریات جن پر کسی کا دل اور ضمیر مطمئن ہو"۔ گویا زندگی اور کائنات سے متعلق انسان کے وہ بنیادی نظریات و خیالات جو اس کے قول و فعل اور اس کی انفرادی اور اجتماعی سرگرمیوں کو ایک متعین قاعدے اور ضابطے کا پابند رکھیں، عقائد کہلاتے ہیں۔ اسلام عقائد کو ایمانیات کا نام دیا جاتا ہے۔

اسلامی عقائد سے مراد اللہ، رسولوں، فرشتوں، یومِ آخرت اور تقدیر پر پختہ یقین اور ایمان رکھنا ہے۔ عقیدہ کی مثال ایک بیج کی مانند ہے اور انسان کے اعمال اس بیج سے اگنے والا پودا یا درخت ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کوئی بھی پودا یا درخت اُنہی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے جو اس کے بیج میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے تمام اعمال کا دار و مدار عقائد پر ہے اور ایمان کے بغیر اعمالِ صالحہ انسان کو روزِ آخرت کچھ فائدہ نہ دیں گے پس عقیدہ انسان کی بہت قیمتی متاع یعنی سامان ہے۔ تمام افعال و اعمال ہمارے ارادے کے تابع ہوتے ہیں اور ارادہ انسان کے دل و دماغ کے تابع ہوتا ہے۔ پس دل و دماغ جس چیز پر پختہ یقین و ایمان رکھتے ہوں اعمال کا صدور بھی اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ پس عقیدہ ہی انسان کے تمام اعمال کی روح ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **انّ فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کله۔** (صحیح البخاری، حدیث نمبر 52) یعنی ”انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہوا تو تمام بدن درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا اور وہ ٹکڑا دل ہے۔“

ایمانیات کا بنیادی ڈھانچہ قرآن و حدیث میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **مَنْ ءَامَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْأٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ** (البقرہ: 177) ترجمہ: جو ایمان لایا اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر۔

معروف حدیث ”حدیثِ جبریل“ میں مبادیاتِ اسلام یعنی ایمانیات، عبادات اور معاملات کو ایمان اسلام اور احسان کے عنوان سے بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایمانیات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: **أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ۔ ترجمہ:** کہ تو ایمان لائے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی اور بری تقدیر پر کیوں کہ وہ اللہ کی جانب سے ہے۔ **(ترمذی، 2610)**

عقیدہ توحید: عقائد میں سب سے اولین عقیدہ ”عقیدہ توحید“ ہے۔ لفظِ توحید عربی زبان کے لفظ ”وحد“ سے نکلا ہے۔ جس کے لغوی معنی ایک ماننا، اکیلا سمجھنا اور یکتا ماننا کے ہیں۔ توحید کے شرعاً اصطلاحی معنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات، عبادات اور افعال میں یکتا اور واحد ماننے کے ہیں۔ اگرچہ قرآن حکیم کی متعدد آیاتِ بینات میں عقیدہ توحید پر دلائل و براہینِ قاطعہ موجود ہیں لیکن سب سے جامع تصور سورۃ الاخلاص میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ عقیدہ انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔

عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر اثرات: انسانی زندگی پر عقیدۂ توحید کے بے شمار اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

عزت نفس کا تحفظ: عقیدۂ توحید کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی کیونکہ وہ صرف ایک اللہ کے سامنے جھکتا ہے اور ایک اللہ کی عبادت کی وجہ سے باوقار رہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ (بنی اسرائیل، 17: 70)** ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی

عاجزی و انکساری: جب انسان اللہ تعالیٰ کو بالادست اور معبود مان لیتا ہے تو اس کے اندر عاجزی اور انکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر سے فخر اور تکبر کے منفی جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (الفرقان، 25: 63)** ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔

اور اسی عاجزی کے نتیجے میں ہی انسانوں کے درمیان محبت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

اطمینان و سکون کا حصول: ایک اللہ پر ایمان رکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ وہ برے اور اچھے ہر قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں ہے۔ اس کے علاوہ اس کو یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ قربت و حفظ خداوندی کا یہ احساس اس کو اطمینان اور سکون بخشتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: **أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد، 13: 28)** ترجمہ: خبردار اللہ کا ذکر ہی اطمینان قلب مہیا کرتا ہے۔

بہادری و ثابت قدمی: توحید پر ایمان رکھنے والا زندگی و موت اور نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور یقین انسان کو دشمنوں کے مقابل بے خوف اور جرأت مند بناتا ہے۔ مومن کی دعا ہمیشہ یہ ہوتی ہے: **وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ 2: 250)** ترجمہ: اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

توکل: عقیدۂ توحید کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور توکل کرتا ہے۔ اپنی تمام کوششوں کے نتائج اللہ کی سپرد کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اسے حُبِّ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران،159)** ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

برائیوں سے اجتناب: عقیدۂ توحید پر ایمان رکھنے والے کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس کی ہر حرکت اس کے علم میں ہے۔ اس احساس کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ کھلے اور چھپے ہر قسم کے حالات میں برائیوں سے اجتناب کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرہ برے لوگوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ انسان کو برائیوں سے بچانا ہی توحید کا اصل کمال ہے۔

لیکچر نمبر1: مبادیاتِ اسلام – I (ماڈیول3-3: ملائکہ پر ایمان)

ملائکہ "مَلک" سے مشتق ہے، اس کی جمع ملائکہ اور ملائک ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ پیغام رساں اور قاصد کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے ملائکہ کی اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں۔ جن کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ عام انسان انہیں نہیں دیکھ سکتے تاہم اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو انہیں دیکھنے کی خصوصیت عطا فرمائی۔ متکلمین ملائکہ کی تعریف یوں کرتے ہیں: **أنّ الملائکة أجسام لطيفة نورانية قادرة على التشكلات بأشكال مختلفة۔** یعنی ملائکہ وہ لطیف نورانی اجسام ہیں جو مختلف اشکال تبدیل کرنے پر قدرت رکھتے ہیں ماسوائے ناپاک جانوروں کے، جیسے کتا اور خنزیر وغیرہ۔

جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نبیؐ کے پاس عام انسان کی شکل میں حاضر ہوتے تھے اور بعض اوقات کسی خاص انسان جیسے دحیہ کلبی کی شکل میں حاضر ہوتے تھے۔

ملائکہ کی تعداد بے شمار ہے۔ ان کی درست تعداد کے بارے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ بعض ملائکہ اپنے امور کی انجام دہی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ چار مشہور فرشتوں جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل کے علاوہ "رضوان" جنت کے اور "مالک" جہنم کے نگران فرشتہ کے طور پر مشہور ہیں۔ ہمارے اعمال کو درج کرنے کے لیے "کراماً کاتبین" اور قبر میں انسان سے سوالات کرنے کے لیے "منکر و نکیر" معروف ملائکہ ہیں۔

ملائکہ معصوم یعنی گناہ سے پاک ہوتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ مومنین و صالحین کو ماسوائے چار مشہور ملائکہ کے سب پر برتری حاصل ہے۔ البتہ انبیائے کرام تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔

ملائکہ کے اوصاف و ذمہ داریاں: ملائکہ پر اللہ تعالیٰ نے مختلف ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ ملائکہ کائنات کے مختلف امور سر انجام دیتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ النازعات میں اللہ تعالیٰ ملائکہ کے مختلف امور کی انجام دہی کر ذکر کرتے ہوئے فرماتےہیں: **فَٱلْمُدَبِّرَٰتِ أَمْرًا۔ (النازعات، 5:79)۔** پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں

بعض ملائکہ کی ذمہ داری انسانوں کی روح قبض کرنا اور بعض کی انسانوں کی خطرات و حوادث سے حفاظت کرنا ہے۔ قولِ باری تعالیٰ ہے: **وَهُوَ ٱلْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِۦ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ۔(الانعام 61:6)۔** ترجمہ: اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کر کے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے قبضہ میں لے لیتے اور وہ اپنا فرض ادا کرنے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔

بعض ملائکہ کا فرض انسانوں کی مدد کرنا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض غزوات میں مسلمانوں کی مدد کے لیئے ملائکہ کا نزول فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا۔ (الاحزاب، 9:33)** ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تمہارے اعمال دیکھتے تھے۔

بعض ملائکہ کے ذمہ ہمارے اعمال کا اندراج ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَٰفِظِينَ كِرَامًا كَٰتِبِينَ۔ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ۔ (الانفطار، 82:10-12)۔** ترجمہ: اور تم پر (تمہارے سب اعمال) یاد رکھنے والے، معزز لکھنے والے مقرر ہیں۔ جو تمہارے سب اعمال کو جانتے ہیں۔

لیکچر نمبر1: مبادیاتِ اسلام – I (ماڈیول4-4: کتب سماویہ پر ایمان)

کتبِ سماویہ سے مراد وہ کتابیں ہیں جو آسمان سے نازل ہوئیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد وہ کتب ہیں جو انسانوں کی فلاح اور ہدایت ورہنمائی کے لیئے خالقِ کائنات نے انبیائے کرام پر اتاریں تاکہ مخلوقِ خدا اس پر عمل کرکے اپنے خالق کی مرضی ومنشا اور احکامات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

مشہور کتبِ سماویہ چار ہیں۔ ان میں تورات موسیٰؑ پر، زبور حضرت داوٗدؑ پر، انجیل حضرت عیسیٰؑ پر اور قرآن مجید خاتم النبیّین حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔

قرآن کے علاوہ مذکورہ کتب کے مجموعے کو بائیبل یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے۔ اس کے دو حصے ہیں: ایک "عہد نامہ قدیم" اور دوسرا "عہد نامہ جدید" کہلاتا ہے۔ عہد نامہ قدیم کے پہلے حصہ میں حضرت عیسیٰؑ سے قبل کے انبیاء پر نازل ہونے والی کتب اور خطوط ہیں۔ "عہد نامہ جدید" اس میں اناجیل اربعہ یعنی مرقس، متی، لوقا اور یوحنا کی اناجیل کے علاوہ رومیوں کے نام پطرس، یوحنا یہوداہ وغیرہ کے خطوط بھی ہیں۔ ان مشہور کتب کے علاوہ کچھ صحائف بھی نازل ہوئے ہیں جن کا ذکر ہمیں قرآن میں ملتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ. صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (الاعلیٰ87:18-19)** ترجمہ: مسلمانوں کے لیے سابقہ تمام کتب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: **وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ (البقرہ2: 4)** ترجمہ: اور جو کتاب (اے محمد ﷺ) آپ پر نازل ہوئی اور جو کتابیں آپ سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے ہیں۔

قرآن مجید سے پہلے کی تمام الہامی کتب وصحائف چونکہ قرآن مجید کے نزول کے بعد منسوخ ہو چکے ہیں اس لیے اب صرف قرآن مجید ہی پر عمل کیا جائے گا۔ قرآن مجید متعدد امتیازی خصوصیات کا حامل ہے۔

قرآن مجید کی امتیازی خصوصیات: قرآن مجید کی امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں:

محفوظ کتاب: قرآن مجید چونکہ قیامت تک انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دوسری الہامی کتب کے برعکس قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے: **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر،15: 9)** ترجمہ: "بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں" یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود قرآن مجید آج بھی اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے جبکہ پچھلی الہامی کتابیں اپنی اصل شکل میں دستیاب نہیں ہیں۔

زندہ زبان: قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ آج بھی بیس سے زیادہ ممالک کی سرکاری زبان عربی ہے اور دنیا کے تمام ممالک میں بولی اور پڑھی جاتی ہے۔ عربی کا شمار عالمی زبانوں میں ہوتا ہے۔

عالمگیر کتاب: پہلی الہامی کتابیں صرف خاص قوم اور علاقے تک محدود تھیں جبکہ قرآن مجید دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ یہ کتاب یاایھا الناس (اے لوگو) کہہ کر خطاب کرتی ہے۔ اس کتاب کی تعلیمات تمام علاقوں اور تہذیبوں کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: **إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ (یوسف،12:104)** ترجمہ: یہ کتاب تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

مکمل ضابطہ حیات: قرآن مجید انسانی زندگی کے انفرادی پہلو سے لے کر حکومتی معاملات چلانے تک انسانیت کی رہنمائی کے لیے مکمل ضابطہ حیات مہیا کرتا ہے۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی، قانونی، تعلیمی الغرض ہر میدان میں انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس فرماتے ہیں: کہ اگر میرے جوتے کا تسمہ گم ہو جائے تو میں اسے قرآن میں تلاش کرتا ہوں۔ یعنی صحابہ معمولی مسائل بھی قرآن کی مدد سے حل کرتے تھے۔

کتاب اعجاز: قرآن مجید آج اسلام کی حقانیت کی سب سے زندہ موجود دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو چیلنج کیا ہے کہ اس جیسی کوئی کتاب بلکہ ایک سورت ہی لا کر دکھاؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ (البقرہ2: 23)** ترجمہ: پس تم اس کی مثل ایک سورت لا کر دکھاؤ۔

عہدِ رسالت سے لیے کر آج تک ہر کوئی چیلنج کے سامنے عاجز ہے۔ اس کو نہ تو کوئی پورا کر سکا ہے اور نہ ہی قیامت تک کر سکے گا۔

قابل حفظ: سابقہ الہامی کتب کا کوئی حافظ بمشکل ہی موجود ہو گا۔ اس کے برعکس قرآن کے حافظ آج بھی دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ کوئی مذہبی کتاب اس طرح قابل حفظ نہیں ہے۔

عقل و تہذیب کی موید کتاب: یہ کتاب عقل و تہذیب کی تائید کرنے والی کتاب ہے۔ پہلی آسمانی کتب اور ان کے ساتھ تاریخی کتب میں تحریف کے سبب بہت سی ناشائستہ اور غیر اخلاقی باتیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ مثلاً پیغمبروں پر شرک و زنا جیسے الزامات وغیرہ جبکہ قرآن مجید ایک مہذب اور شائستہ کتاب ہے۔ جس میں عقل اور تہذیب کا باقاعدہ خیال رکھا گیا ہے اور انسان اس کو اپنی عقل کے قریب تر پاتا ہے۔

عام فہم اور قابل عمل: یہ بہت آسان کتاب ہے جو عام آدمی کی سمجھ کے عین مطابق ہے۔ اس کے علاوہ اس پر عمل کرنا بھی نہایت آسان ہے۔ یہ عقل سلیم کے بھی عین مطابق ہے۔ ہر انسان کو اس کی استطاعت کے مطابق عمل کی اجازت دیتی ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القمر54: 17) ترجمہ: اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔

آخری کتاب: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب ہے اس کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہو گی۔ ارشاد ربانی ہے: **اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَٰمَ دِينًا (المائدہ، 5: 3)** ترجمہ: آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

لیکچر نمبر1: مبادیاتِ اسلام-I (ماڈیول5-5: انبیاء ورسل پر ایمان)

انبیاء نبی کی اور رسل رسول کی جمع ہے۔ نبی کے لغوی معنی "خبر دینے والے" اور رسول کے معنی "پیغام دینے والے" کے ہیں۔ یعنی اللہ کی طرف سے بندوں کو خبریں دینے والا نبی اور اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچانے والا رسول کہلاتا ہے۔ نبی اور رسول میں فرق کے اعتبار سے علماء کی مختلف آراء ہیں۔ بعض کے نزدیک عملی طور پر نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں جبکہ بعض کے نزدیک رسول وہ ہے جس پر کوئی صحیفہ یا کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہو یعنی جو بالکل نئی شریعت لے کر آئے اور اس سے قبل کسی نے یہ شریعت پیش نہ کی ہو۔ یا یہ بھی کہ شریعت بالکل نئی نہ ہو مگر جس پر قوم پر پیش کی جائے اُس قوم کے لیے وہ بالکل نئی ہو اور نبی سے مراد وہ ہے جس پر وحی کا نزول ہو، خواہ وہ نئی شریعت لے کر آیا ہو یا کسی قدیم شریعت ہی کا مبلغ ہو یا نبی وہ ہوتا ہے جس پر کوئی کتاب وغیرہ نازل نہ ہوئی ہو، مگر اس کو پچھلی شریعت کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو۔

کوئی انسان یہ طاقت اور رسائی نہیں رکھتا کہ اللہ سے براہِ راست کلام کر سکے اور اس کا پیغام دوسروں تک پہنچائے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی کچھ لوگوں کو منتخب فرمایا اور ان کو نبی یا رسول بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآيِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَآءُ (الشوری42: 51)** **ترجمہ:** کسی انسان کا حق نہیں کہ اس سے اللہ کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج کر کہ وہ اس کے حکم سے القا کرے۔

انسان حواسِ خمسہ یعنی دیکھنا، سننا، چھونا، چکھنا اور محسوس کرنے کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے مگر ایسے بہت سے معاملات ہیں جہاں تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ مثلاً ذاتِ باری تعالیٰ اور اخروی زندگی سے متعلق تمام امور کا ادراک عقل نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ایسے امور کے متعلق رہنمائی ہمیں انبیاء سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت کے مقاصد و حکمتوں کو قرآن میں جابجا بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء، 64)** ترجمہ: اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (الانعام 6: 48) ترجمہ: اور ہم انبیا کو صرف اس لیے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کی اطاعت کو لازم بلکہ اپنی اطاعت کے ساتھ مشروط قرار دیا اور اسی میں نوعِ انسانی کی فلاح و کامیابی مضمر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الاحزاب33: 71) ترجمہ: اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانا سو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء 4: 80) ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

انبیاء و رسل کی خصوصیات: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو عام انسانوں مقابلہ میں بعض خصوصیات سے نوازا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

بشریت: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے ہمیشہ کسی انسان کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف18: 110)۔**

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔

کیوں کہ انسانوں نے انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرنی ہوتی ہے اس لیے انسانوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔

وہبیت: رسالت و نبوت کوئی ایسی چیز نہیں جس کو انسان اپنی محنت سے حاصل کر سکے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اسے اللہ نے اپنا فضل قرار دیا ہے:

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ (الجمعۃ62: 4)۔ ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام 124:6) ترجمہ: اللہ بہتر جانتا ہے کہ منصب رسالت کس کو دیا جائے۔
گویا رسالت وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔ اس لیے کوئی آدمی محنت سے نبی نہیں بن سکتا۔

معصومیت: تمام انبیاء اور رسول معصوم ہوتے ہیں۔ ان کے قول و فعل میں شیطان دخل اندازی نہیں کر سکتا اور نہ نفسانی خواہشات پیغمبر کو غلطی پر آمادہ کر سکتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: **وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰىؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰىۙ** (النجم 53: 3-4)

ترجمہ: اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

مرد ہونا: اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے ہیں وہ سب کے سب مرد تھے۔ آج تک کوئی عورت بطور پیغمبر مبعوث نہیں ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ (یوسف، 109) ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے بستیوں والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

واجب اطاعت: تمام انبیاء کی اطاعت انسانوں پر فرض ہے کیوں کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی ہوتی ہے۔ پیغمبر اللہ کی کتاب کا شارح اور امت کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ** (النساء 4: 64)۔

ترجمہ: اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔

امانت و دیانت: تمام پیغمبر امانت و دیانت کے حامل ہوتے ہیں اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے اپنی قوم میں بلند ترین مقام پر ہوتے ہیں۔ کسی غیر امین (اخلاقی اعتبار سے پست انسان) کو آج تک پیغمبر نہیں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کی زبانی امانت کا اعلان کروایا۔

اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ (الشعراء 26: 107)۔ ترجمہ: بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔

یہی وجہ تھی کہ مختلف اقوام نے اپنے پیغمبروں کی دعوت کا تو انکار کیا لیکن ان کے کردار پر انگلی نہ اٹھا سکے۔

رسالت محمدی ﷺ کی خصوصیات: حضرت محمد ﷺ چونکہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے مزید یہ کہ آپ ﷺ کی تعلیمات میں تمام انبیاء کی تعلیمات کو شامل کر دیا گیا ہے اس لیے اب آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء پر ایمان لانا تو ضروری ہے مگر کامیابی کے لیے اطاعت صرف آپ ﷺ کی ہی لازم ہے۔ رسالت محمدی ﷺ کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

تکمیل دین: آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے تھے وہ ایک خاص قوم، زمانے اور علاقے کے لیے آئے تھے اس لیے ان کی تعلیمات کا مجموعہ مختصر تھا جب کہ آپ ﷺ کی تعلیمات ہر زمانے، ہر ملک اور ساری انسانیت کے لیے ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ جو دین و شریعت لے کر آئے وہ ہر پہلو سے کامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا** **(المائدہ 5:3)** ترجمہ: آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

سنت نبوی ﷺ کی حفاظت: اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ اس طرح محفوظ فرمائی کہ تاریخ انسانی میں کسی نبی کسی بادشاہ، کسی فاتح اور کسی قائد کی زندگی اس طرح محفوظ نہیں رکھی گئی۔ یہ حفاظت خداوند کریم نے اسی انداز میں فرمائی ہے، جس انداز میں قرآن حکیم کی حفاظت کی گئی ہے۔

سنت چوں کہ قرآن مجید کی شرح ہے اس لیے قرآن مجید کی حفاظت کے ساتھ ساتھ سنت کی حفاظت کا بھی انتظام کیا گیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: **مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ** **(النساء 4: 80)** ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

عملیت: آپ ﷺ کی رسالت کا ایک اہم پہلو اس کی عملیت ہے۔ بے شمار فلسفی اور مفکر ایسے گزرے ہیں جنھوں نے لوگوں کے سامنے اپنے نظریات پیش تو کیے لیکن ان کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے اور فی الحقیقت یہی سب سے مشکل کام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اسلامی نظریہ پر عمل کر کے اس کو انسانوں کے لیے عملی نمونہ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زندگی کو تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **لَقَدۡ كَانَ لَـكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ** **(الاحزاب 33: 21)** ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

ختم نبوت: آپ ﷺ کی ایک امتیازی خصوصیت آپ ﷺ کا آخری نبی ہونا بھی ہے۔ یہ ایک اہم اسلامی عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن مجید، احادیث اور اجماع امت تینوں سے ختمِ نبوت ثابت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ (الاحزاب33: 40) ترجمہ:**"لوگو! محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

رسالت محمدی ﷺ پر ایمان کے تقاضے: قرآنِ کریم میں نبی اکرم ﷺ پر ایمان کے کئی تقاضے بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **فَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُواْ ٱلنُّورَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ[الاعراف7: 157)** ترجمہ:"جو لوگ ان (نبی ﷺ) پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی، اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی کامیاب ہیں۔"

- نبیؐ کی تعظیم کا سب سے اولین تقاضا یہ ہے کہ آپؐ پر ایمان لایا جائے۔ دوسرا یہ کہ آپؐ کی عزت و احترام اور ادب و تکریم کی جائے۔ تیسرا تقاضا نصرتِ دین ہے یعنی آپؐ نے جو دین پیش کیا، اُس دین کی سربلندی کے لیے آپؐ کی مدد کرنا۔ چوتھا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کے ساتھ جو نور نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کی جائے یہاں پر نور سے مراد قرآن پاک ہے، یعنی قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔

لیکچر نمبر1: مبادیاتِ اسلام– I (ماڈیول6-6: آخرت پر ایمان)

اسلام کے بنیادی عقائد میں پانچواں عقیدہ آخرت پر ایمان ہے۔

لغوی معنیٰ: آخرت کے لغوی معنیٰ بعد میں آنے یا آخر میں آنے والی چیز کے ہیں۔

اصطلاحی معنیٰ: آخرت کے عقیدے پر ایمان لانے کا مطلب اس حقیقت پر سچے دل سے یقین رکھنا ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ دنیا کی موجودہ زندگی کے بعد انسانوں کو ایک دوسری زندگی دی جائے گی، اور ہر انسان اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے گا۔

اسلام میں آخرت کا تصور: اخروی زندگی در حقیقت موت کے بعد شروع ہو جاتی ہے اور وقوعِ قیامت تک انسان مرنے کے بعد برزخی زندگی یعنی عالمِ برزخ کی زندگی گزارتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اخروی زندگی کے بارے میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

وقوعِ قیامت وبعث بعد الموت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں امتحان اور آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ دنیا کی موجودہ زندگی عارضی ہے۔ ایک دن یہ کائنات اور اس کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اس دن کا نام قیامت ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے جس کے نتیجے میں قیامت قائم ہو جائے گی اور ساری کائنات ختم ہو جائے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ کائنات کی تمام چیزوں پر فنا طاری ہو جائے گی اور زمین و آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر صور پھونکا جائے گا جس حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کے تمام انسان دوبارہ زندہ کر دیئے جائیں گے اور سب انسان اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اسے یوم حشر کہتے ہیں۔

اعمال پر جزا وسزا: میزان قائم کیا جائے گا اور ہر ایک کے اعمال کے صلے میں اس کے لیے جنت یا دوزخ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

آخرت کے وقوع پذیر ہونے پر دلائل: آخرت کی زندگی ایک حقیقت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کی زندگی کی حقیقت یوں بیان کیا ہے: **كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِٱللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَٰتًا فَأَحْيَٰكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (البقرۃ2: 28)** ترجمہ:"تم خدا سے کیوں کر منکر ہو سکتے ہو جس حال میں کہ تم بے جان تھے تو اس نے تم کو جان بخشی پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: **وَأَنَّ ٱلسَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ ٱللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِى ٱلْقُبُورِ (الحج22: 7)** ترجمہ: اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ اور یہ کہ خدا سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں جلا اٹھائے گا۔

مشرکین و کفار کے لیے یہ بات تعجب خیز تھی کہ انسان کے مرنے کے بعد جب اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی، تو دوبارہ کیسے زندہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شک کو یوں بیان فرمایا ہے: **مَن يُحْىِ ٱلْعِظَٰمَ وَهِىَ رَمِيمٌ (یس 36: 78)** ترجمہ: بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا جواب ان الفاظ میں بیان کیا ہے: **قُلْ يُحْيِيهَا ٱلَّذِىٓ أَنشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ** "ترجمہ: کہہ دو انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے۔"

انسانی عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کسی کام کا پہلی مرتبہ کرنا مشکل ہوتا ہے جب کہ دوسری مرتبہ اس کو سرانجام دینا آسان ہے۔ لہٰذا خالق کائنات کے لیے موجودہ نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ ایک نیا نظام قائم کرنا نہایت آسان ہے۔

عقیدہ آخرت کے انسانی زندگی پر اثرات: عقیدہ آخرت کے انسانی زندگی پر درج ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں:

1-اللہ تعالیٰ سے تعلق کی مضبوطی: عقیدہ آخرت پر ایمان انسان کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ اللہ سے ملاقات کا شوق اور اس کی رضا کے حصول کی تمنا اسے نیکیوں کے قریب اور برائیوں سے دور رکھتی ہے اور یہی اصل تقویٰ ہے۔ انسان کا دل ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے خوف سے لرزاں اور اس کی محبت کی آرزو کے تصور سے معمور ہوتا ہے۔ اس سے انسان کے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ آخرت میں دو جنتوں کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: **وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ جَنَّتَانِ (الرحمن55: 46)** ترجمہ: اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہیں۔

2-احساس ذمہ داری: تصور آخرت انسان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔ موت کے بعد حساب کتاب کا خیال اس کو فرائض کی ادائیگی کے لیے مستعد اور کوتاہیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کا یہ رویہ اسے ذاتی اعتبار سے محکم کردار کا حامل بنا دیتا ہے جو معاشرے کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:2) ترجمہ: اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔

3-بہادری و بے خوفی: انسان کا آخرت پر یقین ہو تو وہ موت سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ موت سے بے نیازی انسان کو بہادر بنا دیتی ہے۔ بہادر آدمی ہی اچھائی کے لیے کام کر سکتا ہے۔ اس طرح کا انسان لوگوں کی جان، مال اور عزت کا محافظ بن جاتا ہے۔ وہ بے خوف میدان جنگ میں موت کے ساتھ ہم آغوش ہونے کے جذبے سے سرشار رہتا ہے۔ مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کی چنگاریاں عقیدہ آخرت کی بدولت ہی پیدا ہوتی ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔“

حقوق کی ادائیگی: دنیا میں حقوق کی ادائیگی سے ہی معاملات بہتر طور پر چلتے ہیں۔ آخرت پر یقین رکھنے والوں کو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا تصور بے چین رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“ کسی بھی معاشرے کی ترقی اور بقا کا انحصار ادائیگی حقوق پر ہے۔

مضبوطی کردار: انسان جب خوف خدا رکھتا ہے تو اس کے کردار میں برائیوں کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ اچھائی کی صحبت میں آتا چلا جاتا ہے۔ وہ جھوٹ، زنا، چوری، ڈاکہ، رزق حرام، رشوت جیسے قبیح جرائم سے بچتا ہے۔ حتیٰ کہ گناہ کبیرہ سے بھی اجتناب کرتا ہے۔ جب وہ مضبوط کردار کا حامل ہو جاتا ہے تو وہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا بلکہ برے عناصر اس سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ افراد کے کردار کی مضبوطی ہی کسی معاشرے کے تحفظ و ترقی کی ضامن ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُوا۟ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ (حم السجدہ41: 30)** **ترجمہ:** ”بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر اللہ کے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔“

لیکچر نمبر2: مبادیاتِ اسلام– II (ماڈیول7:اسلام کا تصورِ عبادت)

- عبادت عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ عبد سے بنا ہے۔ عبد کے معنی بندے کے ہیں یعنی عبادت کے معنی "بندگی" کے ہیں۔ عبد کے معنی لغت میں " عاجزی اور انکساری" کے بھی ہیں۔ اصطلاحاً"عبادت صرف ایسے فعل کا نام ہے جو کسی کی نسبت معبود ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے لیے تعظیم اور عاجزی کے اظہار کی خاطر صادر ہو"۔
- دین اسلام میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اہم عبادات ہیں۔ ایک حدیث میں ان عبادات کو اسلام کا بنیادی ستون قرار دیا گیا جن پر دین اسلام کی عمارت استوار ہے: **بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ** [البخاری:8]**ترجمہ:**"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے؛ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"
- تمام سماوی اور الوہی مذاہب اپنا تصورِ عبادت پیش کرتے ہیں مگر تمام مذاہب کی عبادات جگہ اور وقت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسے مسیحی گرجا گھروں میں، سکھ گردواروں میں، یہودی سینا گاگ میں اور ہندو مندروں میں عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ اسلام کا تصورِ عبادت بہت وسیع اور جامع ہے۔ مسلمانوں کے لیے پوری زمین کو عبادت گاہ قرار دیا گیا ہے۔ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج جیسی عبادات نے اس کو تصور کو جامعیت بخشی۔ ثواب کے اعتبار سے بہت سے دیگر امور کی ادائیگی کو بھی عبادت میں شمار کیا ہے مثلاً رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، کسبِ رزقِ حلال، سچ بولنا، جھوٹ، غیبت اور چغلی اور فحش گوئی سے بچنا بھی عبادت ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا بھی شریعت کے عین مطابق ہونے کے سبب عبادات میں شمار ہوتا ہے۔
- بعض مذاہب جیسے بدھ مت وغیرہ میں رہبانیت کا تصور موجود ہے۔ رہبانیت سے مراد دنیاوی زندگی سے بے رغبتی اور کنارہ کشی ہے۔ اصطلاحاً عائلی زندگی اور دیگر دنیاوی امور سے کنارہ کشی کرتے ہوئے جنگلوں اور ویرانوں کی تنہائی میں کثرتِ عبادت بلکہ نفس کشی کے ذریعے حق کی جستجو کرنا رہبانیت ہے۔ اسلام کے تصور عبادت میں رہبانیت کے اختیار کرنے کی مذمت کی گئی ہے اس کے برعکس ایسے شخص کو پسند کیا گیا ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے معمولات کو اللہ کی خوشنودی کے حصول میں گزارتا ہے۔

ایک مرتبہ تین صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے آپ ﷺ کی عبادات کے معمولات پوچھے۔ جب انہیں حضور اکرم ﷺ کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا آنحضرت ﷺ سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کر لوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن میں روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں (رات میں) اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

لیکچر نمبر2: مبادیاتِ اسلام– II (ماڈیول8: نماز)

نماز فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ "جھکنے" کے ہیں۔ عربی زبان میں نماز کو "صلوٰۃ" کہتے ہیں جس کے لغوی معنی "دعا کرنا" کے ہیں۔ قرآن وحدیث میں بھی نماز کے لیے "صلوۃ" کا لفظ ہی آیا ہے۔

نماز کی اہمیت: نماز دین اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اہم ترین رکن نماز ہے۔

فرضیتِ نماز: معراج کے موقع پر نماز فرض کی گئی۔ نماز اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت ہے جس کی رخصت انسان کو کسی بھی صورت میں نہیں ہے اور اس کو ہر مسلمان مرد اور عورت پر مقررہ اوقات میں ادا کرنا لازم قرار دیا گیا۔

جامع العبادات: نماز دین اسلام کا وہ رکن ہے جس میں بہت سی عبادات شامل ہیں، جیسے ذکر الٰہی، تلاوت قرآن، قیام، رکوع، سجدہ، دعا، تسبیح اور تکبیر وغیرہ۔ اسی طرح نماز بہت سی عبادات پر محیط ہے۔

کثرتِ تاکید: اسلامی عبادات میں سے نماز ایسی عبادت ہے جس کو ادا کرنے کی تاکید بہت کثرت سے ملتی ہے یہاں تک سینکڑوں کی تعداد میں احادیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلام اور کفر میں حدِ فاصل: مسلمان اور کافر کی پہچان کی بنیاد نماز کو بنایا گیا ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے:

بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ ". **(سنن ابی داؤد: حدیث 4678)** ترجمہ: بندے اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز کا ترک کرنا ہے۔

نماز ہر حال میں فرض ہے: زکوٰۃ اور حج مالداروں پر فرض ہے۔ روزہ کی ادائیگی میں مسافر اور بیمار وغیرہ کو رخصت عطا کی گئی ہے۔ مگر نماز مسلمان پر ہر حال میں فرض کی گئی ہے: **إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا (النساء4: 103)** ترجمہ:"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

آخری نصیحتِ رسول اکرمؐ: نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جو آخری نصیحت فرمائی اس میں بھی غلاموں کے خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ نماز کی ادائیگی کا ذکر کیا ہے: **الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سنن ابن ماجہ: حدیث 1625)** ترجمہ: نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا

روزِ قیامت اولین حساب: قیامت کے دن حقوق اللہ کے ضمن میں سب سے پہلا حساب نماز کا لیا جائے گا۔ نبی اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں: **إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ (ترمذی،413)** ترجمہ: قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے اس کی نماز کا محاسبہ ہوگا، اگر وہ ٹھیک رہی تو کامیاب ہو گیا، اور اگر وہ خراب نکلی تو وہ ناکام اور نامراد رہا۔

بے نمازی دوزخی ہے: قرآن مجید میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ بے نمازی جنت میں جانے کے بجائے دوزخ میں جائیں گے۔ ارشاد ربانی ہے: **مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ (المدثر74: 43-44)** ترجمہ:"تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔"

نماز میں غفلت باعثِ زوال: قوموں میں زوال کی ایک وجہ نماز کی ادائیگی میں غفلت کو قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَوٰةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم19:59)** ترجمہ: پھر ان کی جگہ ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز ضائع کی اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے پھر عنقریب گمراہی کی سزا پائیں گے۔

نماز کے فوائد اور اثرات: نماز انسان کی روح کی غذا اور اس کے اطمینان قلب کا ذریعہ ہے۔ اس کے بے شمار فوائد و ثمرات ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

- نماز اللہ کی مدد کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَوٰةَ (المائدہ5: 12)** ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے رہو گے۔
- نماز پنجگانہ کی ادائیگی انسان کو برے کاموں اور گناہوں سے بچاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ (العنکبوت 29: 45)** ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔
- نماز کی ادائیگی انسان کو وقت کا پابند بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جب انسان سختی سے نماز کی ادائیگی کو اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے تو پھر اس کی زندگی کے باقی روز و شب بھی منظم ہو جاتے ہیں۔
- نماز سے مساوات کا سبق بھی ملتا ہے۔ نماز کی صف میں حاکم و محکوم، امیر و غریب سب ایک ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں بلکہ جو پہلے آتا ہے وہ امام کے سب سے قریب ہوتا ہے۔ سب فاصلے مٹ جاتے ہیں۔
- نماز مسلمانوں کے اندر اخوت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ جو معاشرتی ترقی میں ایک اہم اور بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔

الغرض نماز میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار اسرار و رموز رکھے ہوئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کا مکمل اور بھرپور ذریعہ ہے نماز کہنے کو تو ایک عبادت ہے لیکن اس میں سیرت سازی اور معاشرہ کی اسلامی تشکیل کا پورا پورا انظام موجود ہے۔

لیکچر نمبر 2: مبادیاتِ اسلام – II (ماڈیول 9: زکوٰۃ)

- زکوٰۃ لفظ زکیٰ سے مشتق ہے۔ جس کے لغوی معنی پھلنا پھولنا، بڑھنا، زیادہ ہونا اور پاک صاف ہونے کے ہیں۔ شریعت میں زکوٰۃ سے مراد "ہر صاحب نصاب مسلمان کا سال میں ایک مرتبہ اپنے مال کا مقررہ حصہ (اڑھائی فی صد) اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا ہے"۔ یعنی جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کے برابر نقدی ہو یا اتنی ہی مالیت کا سامانِ تجارت موجود ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس مال کا اڑھائی فی صد بطور زکوٰۃ ادا کرنا ہر عاقل، بالغ اور آزاد مسلمان پر فرض ہے۔
- زکوٰۃ کی ابتدائی فرضیت 2 ہجری میں ہوئی مگر 9 ہجری میں یہ مکمل تفاصیل کے ساتھ نافذ ہوئی۔

زکوۃ سونے چاندی، مالِ تجارت، نقدی، مویشیوں اور زرعی فصلوں پر ادا کی جاتی ہے۔ تاہم ان سب پر شرح زکوۃ مختلف ہے۔ فصلوں اور پھلوں پر عائد ہونے والی زکوۃ کو "عشر" کہتے ہیں۔ عشر کے معنی دسویں کے ہیں۔ جو باغات اور فصلیں بارانی پانی سے سیر اب ہوں تو اس کا دسواں حصہ بطور زکوۃ دیا جائے گا اور وہ زمین جس میں چاہی پانی یعنی کنویں یا تالاب اور نہر وغیرہ سے آب پاشی کی جائے یا ایسے ذریعے سے کی جائے جس پر کوئی لاگت آئے تو اس پر بیسواں حصہ (نصف عشر) ہے۔

زکوۃ کی اہمیت: قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں زکوٰۃ کی اہمیت و فضیلت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ارکان اسلام میں نماز کے بعد دوسرا اہم ترین رکن زکوٰۃ ہے۔ قرآن حکیم میں بیاسی (82) مقامات ایسے ہیں جہاں نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم یکجا وارد ہوا ہے۔

منکرین زکوۃ کے خلاف خلیفہ اوّل کا جہاد: زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت ہے جو حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ شریعت مطہرہ میں زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد سرزمین عرب میں ہر طرف فتنے سر اٹھانے لگے اور اسلامی ریاست کو نازک ترین صورتِ حال اور بحران کا سامنا کرنا پڑا تو اپنی سنگینی کے اعتبار سے سب سے بڑا چیلنج منکرین زکوٰۃ کا تھا۔ اسلامی تاریخ کے اس انتہائی نازک لمحے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کمال جرات ایمانی سے اکثر صحابہ کے مشوروں کے علی الرغم اس بات کا اعلان کیا کہ جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں کسی قسم کی تفریق اور امتیاز کرے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ چنانچہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے باغیوں کے خلاف کھلم کھلا جہاد کیا اور ان کی تلوار اس وقت تک نیام میں نہ آئی جب تک منکرین زکوٰۃ کی برپا کی ہوئی شورش پوری طرح ختم نہ ہوگئی۔

تزکیہ نفس: زکوٰۃ انسان کے دل کو مال کے لالچ سے پاک کر دیتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (التوبۃ9: 103)**

ترجمہ: (اے نبی ﷺ!) ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو۔"

آج بھی ادائیگی زکوٰۃ تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ تزکیہ نفس کا سب سے بہتر ذریعہ مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

زکوۃ کی عدم ادائیگی پر سزا: اللہ تعالیٰ نے جہاں زکوٰۃ کی ادائیگی پر انعام کی بشارت دی ہے وہاں عدم ادائیگی پر عذاب عظیم کی وعید بھی سنائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:
وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ (التوبۃ9: 34-35) ترجمہ: "اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کو اس دن عذاب الیم کی خبر سنادو۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔"

زکوۃ کے مصارف: زکوٰۃ کے مصارف کا تعین قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے: **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبۃ9: 60)** ترجمہ: "صدقات (یعنی زکوٰۃ وخیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور خدا کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیئے یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں زکوۃ کے درج ذیل لوگ مصارف بیان کیے گئے ہیں:

1۔ **فقیر:** غریب مفلس۔ جن کے پاس اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے مطلوبہ آمدنی نہیں ہوتی۔

2۔ **المساکین:** جو ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے نہ کما سکیں، بے روزگار وغیرہ۔ یہ لوگ دراصل بنیادی ضرورتوں سے محروم ہوتے ہیں۔

3۔ **العاملین علیھا:** زکوٰۃ کے محکمہ کے ملازم یا زکوٰۃ کا نظام چلانے والے لوگ۔

4۔ **المؤلفۃ القلوب:** جن کو اسلام کی طرف مائل کرنے یا اسلام پر قائم رکھنے کے لیے زکوۃ سے حصہ دیا جائے۔

5۔ **وفی الرقاب:** غلاموں اور قیدیوں کی رہائی کے لیے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

6۔ **الغارمین:** وہ لوگ جو مقروض ہیں اور وہ قرض اتارنے پر قادر نہ ہوں تو ان قرض ادا کرنے کے لیئے بھی زکوۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے۔

7۔ **فی سبیل اللہ:** دفاع، تبلیغ، قیام دین وحق کی راہ میں۔

8۔وابن السبیل: مسافروں کی راستے میں جیب کٹ جائے یا روپے کھو جائیں یا کسی اور وجہ سے وہ مشکل میں ہوں تو ان کی زکوٰۃ سے مدد کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کے حقدار مسکین اور فقیر میں فرق: فقیر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کچھ نہ کچھ مال و اسباب رکھتا تو ہو مگر وہ اس کی ضروریاتِ زندگی کے لیئے ناکافی ہو۔(اگر گرد و پیش میں نظر دوڑائی جائے تو ایسے افراد کی کثرت نظر آئے گی کہ معمولی ملازمت یا چھوٹے پیمانے کے کاروبار تو کرتے ہیں مگر ان کی آمدن گھریلو اخراجات پورت کرنے میں ناکافی ہوتی ہے۔سفید پوشی کی وجہ سے ایسے افراد دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا نہیں کرتے۔یہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین میں آتے ہیں) **مسکین** ایسا شخص ہے جس کے پاس بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی میسر نہ ہوں۔بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے۔

لیکچر نمبر2: مبادیاتِ اسلام– II (ماڈیول10: روزہ)

روزہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔عربی میں اسے "الصوم "کہتے ہیں۔جس کے لغوی معنی ہیں:"رک جانا،باز آنا "اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے باز رہنا۔چونکہ روزے کی حالت میں انسان صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے باز رہتا ہے۔ اس لیے اسے ”صوم“ کا نام دیا گیا ہے۔ روزے ہجرت مدینہ کے ڈیڑھ سال بعد 10 شعبان 2 ھجری میں فرض ہوئے۔

- روزہ دین اسلام کا تیسرا بنیادی رکن ہے۔روزہ رکھنا تمام عاقل بالغ مسلمانوں پر فرض ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ[البقرۃ،2: 185] ”جو کوئی تم میں سے اس مہینے (رمضان) میں موجود ہو چاہیئے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔“

البتہ بیماروں، مسافروں اور زیادہ بوڑھے افراد کو اسلام نے روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے: **اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**[البقرۃ2: 184] ترجمہ:"(یہ) گنتی کے چند دن (ہیں)، پس اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرلے، اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو ان کے ذمے ایک مسکین کے کھانے کا بدلہ ہے، پھر جو کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو تو جان لو کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔"

- روزے کا مقصد انسان میں تقویٰ اور پرہیز گاری پیدا کرنا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** [البقرۃ2: 183] "اے ایمان والو!تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔"
- روزہ بہت اہمیت کا حامل ہے اس لیے اس کو ترک کرنے کا نقصان بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے: **مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلاَ مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ** [جامع الترمذی: 723] ترجمہ:”جس شخص نے کسی (شرعی) عذر اور مرض کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا، وہ عمر بھر روزے رکھ کر بھی اس کی تلافی نہیں کرسکتا۔“

روزے کے فوائد و اثرات: 1۔یہ ایک ماہ، بدی سے اجتناب اور نیکی کرنے کی ٹریننگ ہے۔ 2۔روزہ مشقت برداشت کرنے کا عادی بناتا ہے۔

3۔لوگوں کے دکھوں اور پریشانیوں کا احساس پیدا کرتا ہے۔ 4۔روزہ پابندیءوقت سکھاتا ہے۔

5۔روزہ انسان کو روحانی طور پر مضبوط بناتا ہے اور یہ روحانی مضبوطی ہی ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیتی ہے۔

لیکچر نمبر2: مبادیاتِ اسلام– II (ماڈیول11: حج)

- حج کے لغوی معنی ”کسی جگہ کی زیارت کا ارادہ کرنا“ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں ذو الحجہ کے مخصوص ایام میں خانہ کعبہ میں حاضری دینا اور مناسک حج ادا کرنا، حج کہلاتا ہے۔
- حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ یہ 9ہجری میں فرض ہوا: **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا** [آل عمران3: 97]ترجمہ:اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔
- حج سنت ابراہیمی ہے۔ یہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے: **وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔** (الحج:۲۷) " اور تم لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور تمام دبلے اونٹوں پر (سوار) حاضر ہو جائیں گے جو دور دراز کے راستوں سے آتے ہیں۔"

حج کی اقسام: حج کی تین قسمیں ہیں:1۔حج تمتع: جس میں عمرے کی نیت سے احرام باندھا جائے اور عمرہ کے بعد کھول دیا جائے۔ پھر بعد میں حج کا احرام باندھا جائے۔2۔ حجِ قِران: یہ وہ حج ہے جس میں عمرہ اور حج ایک ہی احرام سے کیا جاتا ہے۔ 3۔حجِ اِفراد: جس میں صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے۔

مناسک حج: مناسک حج سے مراد وہ افعال ہیں جو ایام حج کے دوران میں بطور ارکان حج ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ احرام باندھنا: مکہ سے کچھ فاصلے پر متعین مقامات (جو میقات کہلاتے ہیں) پر، حج اور عمرہ کا لباس (احرام) جو دو اَن سلی چادروں پر مشتمل ہوتا ہے پہن لیا جاتا ہے۔ اسے احرام باندھنا کہتے ہیں۔ احرام باندھنا حج کی لازمی شرائط میں سے ہے۔ البتہ عورتوں کے لیے حالت احرام میں کسی مخصوص کپڑے کی پابندی نہیں، وہ احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہیں

2۔تلبیہ: احرام باندھنے کے بعد حاجی کثرت سے تلبیہ پکارتے ہیں:**لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ، وَالنِّعْمَةَ، لَكَ وَالْمُلْكَ، لاَ شَرِيكَ لَكَ**

3۔ صفاومروہ کی سعی: صفاو مروہ نامی دو پہاڑیوں کے ساتھ چکر لگانے کی سعی کہتے ہیں۔ یہ حضرت ہاجرہؓ کی سنت کی اتباع میں ہے۔

4۔ منیٰ میں قیام: ذوالحجہ کی 8 تاریخ کو منیٰ میں ایک دن اور رات کا قیام کیا جاتا ہے۔

5۔ وقوف عرفات: جبل رحمت کے پاس ایک میدان میں حجاج 9 ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک قیام کرتے ہیں اور دعاؤں میں مصروف رہتے ہیں۔ یہیں خطبہ حج ہوتا ہے۔

6۔ وقوف مزدلفہ: ذولحجہ کی 9اور10 تاریخ کی درمیانی رات مزدلفہ میں گزاری جاتی ہے۔

7۔ جمرات کو کنکریاں مارنا: منیٰ کے میدان میں پتھر کے تین ستون ہیں جنھیں جمرات کہا جاتا ہے۔ حاجی انھیں کنکریاں مارتے ہیں۔ یہ کنکریاں مارنا حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ جب وہ حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کے لیے لے جارہے تھے تو شیطان نے تین جگہ انھیں بہکانے کی کوشش کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ نے انھیں تینوں مرتبہ کنکریاں اٹھاکے ماری تھیں۔

8۔ قربانی: 10 ذوالحجہ کو عیدالاضحیٰ کے دن حجاج کرام منیٰ میں قربانی کرتے ہیں۔ قربانی کے بعد حجامت کروائی جاتی ہے اور احرام کھول دیتے ہیں۔

9۔ طواف افاضہ یا طواف زیارت: یہ حج کا اہم رکن ہے جس کے بغیر حج پورا نہیں ہوتا۔ یہ 10 ذوالحجہ کی صبح صادق سے 12 ذوالحجہ تک کیا جاسکتا ہے۔

10۔ طواف وداع: حجاج کرام مکہ سے رخصت ہوتے ہوئے بیت اللہ کا پھر طواف کرتے ہیں جسے طواف وداع کہا جاتا ہے۔

- حج کے دوران لڑائی جھگڑا، فساد اور عورتوں سے اختلاط سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ** [البقرۃ2: 197] "حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے نہ کسی سے جھگڑے۔"
- حج کا بہت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: **مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ** [صحیح البخاری: حدیث 1521] "جس شخص نے اللہ کے لیے اس شان کے ساتھ حج کیا کہ نہ کوئی فحش بات ہوئی اور نہ کوئی گناہ تو وہ اس دن کی طرح واپس ہو گا جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔"

لیکچر نمبر3: القرآن وعلوم القرآن- I (ماڈیول1-12: قرآن مجید کا تعارف)

قرآن کے لفظی معنیٰ: لفظ قرآن "قِرَاءَة" سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا۔ ایک رائے یہ ہے کہ قرآن کا لفظ "قَرَءَ" سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں جمع کرنا۔

- **قرآن مجید کی تعریف:** " قرآن اللہ کا کلام ہے، جو اس نے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔ لفظ اور معنی میں، اور جو مصحف میں محفوظ ہے، اور متواتر طریقے سے ہم تک پہنچا ہے، اور بنی نوع انسان کے لیے ایک چیلنج ہے کہ وہ اس سے ملتی جلتی کوئی چیز بنا سکے۔
- **قرآن کے نام:** علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور کتاب "الاتّقان فی علوم القرآن" میں قرآن حکیم سے ماخوذ کتاب اللہ کے پچپن (55) صفاتی اسماء تحریر کئے ہیں۔ خود قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے بہت سے نام ذکر فرمائے ہیں مثلاً القرآن، الفرقان، الذکر، النّور اور الکتاب وغیرہ۔

لیکچر نمبر3: القرآن وعلوم القرآن- I (ماڈیول2-13: قرآن مجید کی آیات اور سورتیں)

آیت کے لغوی معنیٰ علامت یا نشانی کے ہیں، یعنی آیت قرآنیہ اللہ رب العزت کے علم و حکمت کی نشانی اور علامت ہے۔ جبکہ اصطلاح میں آیت سے مراد قرآن حکیم کا وہ ایک جملہ جو اپنے سے پہلے اور بعد والے جملے سے الگ حیثیت کا حامل ہو۔ مشہور قول کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تعداد 6236 ہے۔

- **قرآن مجید کی سورتیں:** دو سے زیادہ آیات کے مجموعے کو سورت کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں سورہ کے لفظی معنیٰ رفعت اور بلندی کے ہیں۔ قرآن مجید کے ہر باب کو سورہ کہا جاتا ہے، گویا کہ ہر سورہ ایک بلند منزل کا نام ہے۔ قرآن مجید میں کل 114 سورتیں ہیں، قرآن حکیم کی سب سے بڑی سورت، سورۃ البقرۃ اور سب سے چھوٹی سورت کا نام سورۃ الکوثر ہے۔
- **ترتیب نزولی:** جس ترتیب سے قرآن مجید کا نزول ہوا اس ترتیب کو ترتیب نزولی کہا جاتا ہے۔ نزولی لحاظ سے سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ **ترتیب توقیفی:** سے مراد قرآن مجید کی موجودہ ترتیب ہے، جیسا کہ ابتداء میں سورۃ الفاتحہ اور آخر میں سورۃ الناس ہے۔

لیکچر نمبر3: القرآن وعلوم القرآن- I (ماڈیول3-14: قرآن مجید کے فضائل)

- قرآن مجید سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا ایک افضل اور مبارک عمل ہے۔
- قرآن کے ایک ایک حرف کے پڑھنے پر ایک نیکی ہے اور حدیث مبارکہ کی رو سے اللہ رحیم و کریم کی ذات سے ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے تو اگر کوئی الف لام میم پڑھتا ہے تو اسے تیس نیکیوں کے برابر ثواب ملے گا۔
- فرمان رسول صلی علیہ وسلم کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قرآن حکیم کو سمجھنے اور پڑھنے میں غور و فکر سے کام لیتا ہے اور اس مبارک عمل میں مصروف و مشغول رہتا ہے اور دعائیں مانگنے کا اس کو موقع اور وقت نہیں ملتا تو اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس کام میں مشغولیت کی وجہ سے اس کو دعائیں مانگنے والوں سے افضل اجر عطا فرماؤں گا۔
- حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ دو کاموں کے علاوہ حسد (رشک) جائز نہیں ایک اس شخص کے ساتھ جس کو اللہ رب العزت نے مال دیا ہے اور وہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور دوسرا اس شخص کے ساتھ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت دی اور وہ قرآن کو پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔

لیکچر نمبر3: القرآن وعلوم القرآن- I (ماڈیول4-15: جمع و تدوینِ قرآن)

- قرآن مجید نبی کریم ﷺ پر حالات و ضرورت کی بنیاد پر تقریباً تیئس سال کے عرصے میں نازل ہوا.
- نبی کریم ﷺ قرآن مجید کی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر آیات قرآنیہ کو جلدی سے زبان سے دہراتے۔ اس پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (القیامۃ:75:16-17)

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) آپ اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیں تاکہ آپ اس کو جلدی سے یاد کر لیں، (اے حبیب) اس قرآن کو پڑھانا اور اس قرآن کو آپ کے دل میں محفوظ رکھنا یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

- صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے قرآن حکیم کو حفظ کیا اور اس کے علاوہ آپ ﷺ نے کاتبین وحی کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو قرآن مجید کو محفوظ کرنے کی غرض سے آیات قرآنیہ کو مختلف چیزوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔

لیکچر نمبر3: القرآن وعلوم القرآن- I (ماڈیول5-16: دورِ صدیقیؓ میں تدوینِ قرآن)

- غزوۂ موتہ میں صحابہ کرام میں سے حفاظ کی ایک کثیر تعداد کی شہادت کے بعد صحابہ کرامؓ میں قرآن کریم کی حفاظت کا خیال شدت اختیار کر گیا، تاکہ بعد میں آنے والے انسانوں کے لیے یہ کتاب ہدایت تا قیامت محفوظ ہو جائے۔
- حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنے کا مشورہ دیا، لیکن انشراح قلب نہ ہونے کی بنیاد پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تردد فرمایا اور کہا کہ جو کام حضور ﷺ نے انجام نہیں فرمایا وہ ہم کیسے کرلیں۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ کے اصرار اور مستقبل میں قرآن کی حفاظت کے پیش نظر اس کام کے لئے آمادگی ظاہر کی۔

جمع وتدوینِ قرآن: قرآن مجید کے جمع وتدوین کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ پر مشتمل دو رکنی کمیٹی تشکیل دی تاکہ وہ لوگوں سے قرآن کی آیات لے کر اس کی تحقیق اور تصدیق کے بعد اس کو کتابی شکل میں مدون کریں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے چند اصولوں اور طریقوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کتابی شکل میں قرآن مجید کو جمع فرمایا جس کو ابتدا میں "نسخۂ اُم"(Master copy) اور بعد میں "مُصحف" کا نام دیا گیا۔ یہ نسخۂ مُصحف ابتدا میں خلیفۂ وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس اور بعد میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی تحویل میں رہا۔ بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد وہ نسخہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت تک حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنھا کے پاس محفوظ رہا.

لیکچر نمبر3: القرآن وعلوم القرآن- I (ماڈیول6-17: حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں جمعِ قرآن)

- جب اسلام عرب سے باہر نکل کر ایشیاء، وسطِ ایشیاء اور دور دراز کے ممالک تک پھیل گیا تو عرب اور عجم کے لب ولہجے کے اختلاف کی وجہ سے قرآن مجید کے پڑھنے میں اور قرأتوں میں اختلاف پیدا ہوا۔
- حضرت حذیفہ بن یمانؓ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنیؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ دور دراز کے علاقوں میں مسلمان ہونے والے لوگ عربی لب ولہجے اور قرأتوں سے ناواقف ہونے کی بناء پر قرأتِ قرآن میں اختلاف کر رہے ہیں جس کی بناء پر مسلمانوں کے درمیان قرآن کے پڑھنے پر اختلافات اور جھگڑوں کا خدشہ ہے۔
- حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن کے جمع کرنے کے لئے ایک چار رکنی کمیٹی تشکیل دی۔ جس میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ تھے۔ اس کمیٹی نے قران مجید کو لغت قریش پر مرتّب کیا اور پھر قرآن کریم کے ایک ہی طرح کے سات نسخے تیار کئے گئے۔ جن کو مختلف بڑی اسلامی ریاستوں مثلاً مکہ مکرمہ، شام اور کوفہ وغیرہ میں بھجوا دیا گیا اور ایک نسخہ دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں محفوظ کر لیا گیا۔

اعراب القرآن اور رموز واوقاف: عرب کے رہنے والوں کو اہل زبان ہونے کی وجہ سے قرآن مجید پڑھنے کے لئے زبر، زیر، پیش اور نقطوں کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب یہ قرآن اہل عجم یعنی غیر عرب میں پہنچا تو اس کے لیے اعراب اور نقطوں کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ زبان دان نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کے غلط پڑھنے کا خدشہ موجود تھا۔ اس مقصد کے لیے دورِ اُموی میں عراب لگانے کی ذمہ داری اس وقت کے بہت بڑے ماہر ادب وفن ابو الاسد الدؤلی کو سونپی گئی۔

لیکچر نمبر4: القرآن وعلوم القرآن- II (ماڈیول1-18: قرآن مجید کی معجزانہ شان)

قرآن کریم اللہ رب العزت کا برگزیدہ کلام ہے۔ یہ ایسی بے مثال و بے نظیر کتاب ہے کہ جس کا بنانا انسان کے بس سے باہر ہے جبکہ اللہ نے انسانوں کو چیلنج بھی کیا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ انسانی کلام ہے اور یہ میرے بندے اور رسول محمد ﷺ نے اپنی طرف سے بنایا ہے۔ تو پھر تم بھی تو انسان ہو اور بزعمِ خود اپنے آپ کو سب سے بہتر اور قادرالکلام سمجھتے ہو، خود کو زبان پر عبور رکھنے والا اور دوسروں کو عجمی یعنی گونگا خیال کرتے ہو تو پھر تم بھی ایسا ہی ایک کلام لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَ ادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (البقرۃ 23:2) ترجمہ: "اور اگر تم اس (کلام) کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور (اس کام کے لئے بیشک) اللہ کے سوا اپنے (سب) حمائتیوں کو بلا لو اگر تم (اپنے شک اور انکار میں) سچے ہو۔"

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک اس قرآنی چیلنج کا کوئی بھی جواب نہیں دے سکا اور نہ ہی قیامت تک دے سکے گا۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ نے قرآن میں دوسرے مقامات پر دس آیتوں اور پھر آخر میں اس قرآن کی ایک آیت کی مثل لانے کا چیلنج دیا لیکن اتنا علم ہونے کے باوجود آج تک دنیا اس کا جواب دینے سے عاجز اور قاصر ہے۔

- **قرآن کی بے مثل فصاحت وبلاغت:** سردارانِ مکہ میں سے ولید بن مغیرہ نے قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت اور معجزانہ شان بیان کرتے ہوئے اہل زبان ہونے کے باوجود اپنے عجز اور ناتوانی کا اعتراف کیا کہ یہ انسانی کلام ہو ہی نہیں سکتا ورنہ ہم بھی اس جیسا کوئی کلام بنالیتے۔

لیکچر نمبر4: القرآن وعلوم القرآن- II (ماڈیول2-19: کائنات کے راز بیان کرنا)

- **سائنسی حقائق وانکشافات:** بگ بینگ تھیوری: ایک سمٹے ہوئے مادہ سے اللہ کے حکم سے کائنات کا پھیل جانا قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔
- زمین، سورج اور چاند کی حرکت: تمام سیارے، زمین اور سورج وغیرہ اپنے ایک مقرر کردہ مدار کے اندر حرکت کر رہے ہیں اور اپنے مدار سے باہر نہیں نکلتے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرمایا: اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو (بھی)، تمام (آسمانی کرّے) اپنے اپنے مدار کے اندر تیزی سے تیرتے چلے جاتے ہیں (الانبیاء 33:21)
- **انسان کی تخلیق کا کیمیائی اور حیاتیاتی ارتقاء:** مادر رحم میں تخلیقِ انسانی کے مختلف مراحل اور ادوار، اور اس ضمن میں اللہ رب العزت کی قدرت کی نشانیوں کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔
- **مستقبل میں ہونے والے واقعات کی پیشگوئیاں:** غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کا ذکر، جب کہ مسلمان تعداد میں بھی قلیل اور عسکری لحاظ سے کمزور تھے اور دشمن کے عددی لحاظ سے برتری کے باوجود اللہ نے کفار کی شکست کا واضح طور پر قرآن میں ذکر فرمایا۔
- صلح حدیبیہ سے قبل ہی مسلمانوں کو فتح مندی کی خبر دینا، جبکہ صلح حدیبیہ کے معاہدے میں شامل دفعات اور شرائط میں مسلمانوں کو بظاہر نقصان اور مغلوبیت کی صورت نظر آ رہی تھی، لیکن اس صلح سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس ضمن میں فتح کی خوشخبری سنائی اور انجامِ کار، فتح مکہ کی صورت میں نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کو فاتحین کی حیثیت سے اپنے وطن واپس لوٹا دیا۔

- روم اور فارس اس وقت کی دو بڑی طاقتیں تھیں۔ بارہا اہل فارس (آتش پرست)، اہل روم (اہل کتاب) پر غالب آتے رہے۔ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کے ساتھ تھیں۔ اسی دوران اہل فارس روم پر غالب آ گئے اور اس وقت اللہ نے قرآن میں چند سالوں میں اہل روم کے غلبے کی پیشگوئی فرمائی تھی جو حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔
- مسلمانوں کی کسمپرسی کی حالت کے ایام میں قرآن نے ایمان والوں کو زمین کی خلافت عطا ہونے کا مژدہ سنایا، اور خلفائے راشدین اور پھر ان کے بعد آنے والے وقت نے اللہ کی پوری زمین پر مسلمانوں کی حکومت اور خلافت کی پیشگوئی کو سچ کر دکھایا۔
- فرعون جو کہ خدائی کا دعویدار تھا، دریائے نیل میں غرقابی کے بعد اس کے جسم کو محفوظ رکھنے کا ذکر اللہ نے قرآن میں فرمایا تھا، کہ ہم تمہارے جسم کو لوگوں کی عبرت کے لئے محفوظ کر دیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ یہ وہی انسان ہے جو کہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا لیکن اب ایک بے بس ممّی کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ جو کہ اپنے جسم پر سے ایک مکھی تک کو اڑانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

لیکچر نمبر 4: القرآن وعلوم القرآن – II (ماڈیول 3-20: علم تفسیر کا تعارف)

تفسیر کے لغوی معنیٰ: فَسَّرَ یُفَسِّرُ کے معنی کسی چیز کو کھولنے اور واضح طور پر بیان کرنے کے آتے ہیں۔

تفسیر کی اصطلاحی تعریف: ایسا علم جس کی مدد سے قرآن مجید کے مطالب و معانی، اسرار و حکم اور احکام و مسائل کے بارے میں بحث کی جائے۔

تفسیر کی اقسام: تفسیر کی دو اقسام ہیں۔ (1) تفسیر بالماثور (2) تفسیر بالرائے۔

(1) تفسیر بالماثور: وہ روایات جو حضور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین سے منتقل ہو کر ہم تک پہنچی ہیں، ان روایات (احادیث)، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھنا اور اس کو کتابی شکل دینا، اس کو تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔ مثلاً علامہ محمد بن جریر طبری کی تفسیر طبری وغیرہ۔

(2) تفسیر بالرائے: اگر کوئی معتبر اور اہل شخص قرآن مجید کو قرآن حکیم ہی کی دوسری آیات، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور لغت عرب وغیرہ سے سمجھ کر اپنی عقل و فہم کے مطابق کوئی تفسیر کرتا اور لکھتا ہے تو اس کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے۔ مثلاً علّامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کشّاف وغیرہ۔

- **تفسیر قرآن کے بنیادی ماخذ:** تفسیر قرآن کے پانچ مندرجہ ذیل بنیادی مأخذ ہیں۔

(1) قرآن کریم (2) احادیث نبویہ ﷺ (3) اقوال صحابہؓ و تابعینؒ (4) لغت عرب (5) قواعد و اصول شرعیہ۔

لیکچر نمبر 4: القرآن وعلوم القرآن – II (ماڈیول 4-21: علم تفسیر کا ارتقاء)

- جس وقت قرآن کا نزول جاری تھا، حضور ﷺ کی بابرکت ذات صحابہ کرامؓ کے درمیان موجود تھی، لہٰذا جب بھی کسی وضاحت کی ضرورت پڑتی یا کسی آیت کے مفہوم میں ابہام محسوس ہوتا، صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تسلّی و تشفّی محسوس کر کے واپس لوٹتے۔
- صحابہ کرامؓ قرآن کو سمجھنے اور علوم قرآن کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے تاکہ کتاب اللہ کے احکام کو اچھی طرح سمجھا جا سکے۔ ان صحابہ کرامؓ میں سے حضور ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر صحابہؓ میں سے خاص طور پر حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے اسماء قابل ذکر ہیں

- حضور ﷺ کی رحلت اور اسلام کے دور دراز کے علاقوں میں پھیل جانے کے بعد کئی صحابہ کرامؓ نے مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ اور دیگر علاقوں کی طرف ہجرت کی اور کتاب اللہ کی تعلیم دینے، احکامات الٰہیہ کو پھیلانے اور قرآن کریم سکھانے کی غرض سے دروس قرآن کے حلقہ جات قائم کئے اور ہزاروں لوگوں کو مستفید کیا، جنہوں نے مزید اس علم کو آگے دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔
- **کتب تفسیر کی تدوین و تالیف:** ابتدا میں صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے تفسیر زبانی سن کر اسے یاد کیا اور سینہ بہ سینہ آگے پہنچایا، بعد ازاں عہدِ تابعین میں بنی امیہ کے دور میں علم تفسیر پر باقاعدہ کتب لکھی گئیں۔ قرآن مجید کی پہلی باقاعدہ تفسیر ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی تفسیر "جامع البیان" ہے جو "تفسیر طبری" کے نام سے مشہور ہے۔
- قرآن مجید کی تفسیر کرنے والے شخص (مفسر) میں درج ذیل خصوصیات ہونی ضروری ہیں:

1۔ عربی زبان کے قواعد اور گرامر کا مکمل علم 2۔ علم البلاغۃ پر مکمل دسترس۔ 3۔ اصول فقہ و قواعدِ فقہیہ کا مکمل علم

4۔ حدیث و اصول روایت و درایت میں کامل مہارت 5۔ سیرت طیبہ کے واقعات و حوادث سے مکمل آگاہی

لیکچر نمبر5: قرآن وعلوم القرآن- III (ماڈیول 1- 22 : مطالعہ متنِ قرآن : سورۃ الحجرات 1-2)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ(الحجرات:۱)

"اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں رسول ﷺ کی بے ادبی نہ ہو جائے)، بیشک اللہ (سب کچھ) سننے والا خوب جاننے والا ہے۔"

ا۔ حضور ﷺ کا ادب واحترام ۲۔ قرآن وسنت کی تمام معاملات میں بالا دستی ۳۔ اللہ عزوجل کے ذکر کی اہمیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (الحجرات:2) اے مومنو! تم اپنی آوازوں کو نبیِ ﷺ کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہو۔

حضور ﷺ کا ادب واحترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ آواز، حضور ﷺ سے بلند نہ ہو۔ لہجہ میں ادب واحترام اور انکساری کا پہلو ہو۔ (حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی تو وہ اس آیت کے نزول پر پریشان ہو گئے) آپ ﷺ کو نام لیکر نہیں بلکہ اچھے القابات کے ساتھ پکارا جائے۔

اھلِ علم کے مطابق جہاں آپ ﷺ کا ذکر ہو رہا ہو یا احادیثِ پاک بیان ہو رہی ہوں، وہاں بھی ان احکام کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

لیکچر نمبر5: قرآن وعلوم القرآن- III (ماڈیول2- 23 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الحجرات 3-5)

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ۔ (الحجرات: 3)

"بیشک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں (ادب ونیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن کر خالص کر لیا ہے۔ ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے"

- غضِ صوت، ادب کی علامت ہے۔ اور ادبِ نبوی ﷺ تقویٰ کی نشانی ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو ادبِ نبوی ﷺ سے آزمایا، امتحان لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے دل تقویٰ کے لیے درست پائے گئے۔ اگر ادب نہ ہو تو تقویٰ تو دور ایمان کی بھی ضمانت نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ (الحجرات:4)

"بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (آپ کے بلند مقام ومرتبہ اور آدابِ تعظیم کی) سمجھ نہیں رکھتے۔"

ا۔ شانِ نزول: قبیلہ بنی تمیم کی آمد اور حضور ﷺ کو آوازیں دینا: وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (الحجرات:5)

"اور اگر وہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ہی ان کی طرف باہر تشریف لے آتے تو یہ اُن کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے"

- اھلِ علم کی رائے ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں حکمِ ادب تھا، اسی طرح آپکی قبرِ انور اور مسجد کا ادب قیامت تک کیلیے ہے۔
- حضرت عمرؓ نے مسجدِ نبوی میں دو لوگوں کو اُونچی آواز میں بولتے سنا تو کہا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو تمہاری پٹائی کر دیتا۔

لیکچر نمبر5: قرآن وعلوم القرآن- III (ماڈیول3- 24 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الحجرات 6-8)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَO وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَOفَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌO (الحجرات:6-8)

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (شخص) کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی قوم کو لاعلمی میں (ناحق) تکلیف پہنچا بیٹھو، پھر تم اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں، اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہارا کہنا مان لیں تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ فرما دیا اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمہیں متنفر کر دیا، ایسے ہی لوگ دین کی راہ پر ثابت اور گامزن ہیں۔ (یہ) اللہ کے فضل اور (اس کی) نعمت (یعنی تم میں رسولِ اُمّی کی بعثت اور موجودگی) کے باعث ہے، اور اللہ خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے"

- تم میں اللہ کے رسول ﷺ موجود ہیں۔ فیضانِ رسالت آج بھی جاری ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ وہ تم سے محبت فرماتے ہیں۔ تم اپنی بھلائی کے اتنے خواہاں اور اتنے واقف نہیں ہو جتنے نبی کریم ﷺ ہیں۔
- کتاب و سنت کے موجود ہونے کے باوجود جو شخص اپنی رائے پر اصرار کرتا در حقیقت وہ اس بات سے جاہل ہے کہ ہم میں اللہ کا رسول موجود ہے

لیکچر نمبر 5: قرآن وعلوم القرآن- III (ماڈیول 4- 25: مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الحجرات 9-11)

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ (الحجرات:9)

"اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو اُن کے درمیان صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ رجوع کر لے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے"

- دو متحارب مسلمان جماعتوں میں صلح کرانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے: اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہو تو بھی، مظلوم ہو تو بھی۔ (بخاری: ۶۹۵۲)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (الحجرات:10)

"بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"

- اسلامی اخوت ایک ایسا مستحکم اور مضبوط رشتہ ہے جس پر رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود اثر انداز نہیں ہوتیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ (الحجرات:11)

"اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں، اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے، اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں"

- خوشگوار معاشرے کی تشکیل کیلیے معاشرتی آداب کی تعلیم ضروری ہے۔
- مذاق اڑانے کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک مذہبی یا نظریاتی اختلاف کا ہونا دوسرے مخاطب کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنا۔
- لَمَز بمعنی کسی شخص کے کسی فعل یا حرکت میں عیب جوئی کرنا۔ جیسے پھبتیاں کسنا، کسی کی نقلیں اتارنا، اشارے کرنا، یا طنزیہ بات اور چوٹیں۔
- لقب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ا۔ پسندیدہ۔ (صدیق، فاروق) ۲۔ مذموم۔ (فاسق، یہودی، چور)

"جو شخص کسی مسلمان کو فاسق یا کافر کہے اور در حقیقت وہ کافر یا فاسق نہ ہو تو خود کہنے والا شخص فاسق یا کافر ہو جائے گا"

لیکچر نمبر6: قرآن وعلوم القرآن - IV (ماڈیول1- 26 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الحجرات12)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۔ (الحجرات:12)

"اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بیشک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے) اور (کسی کے غیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اور (اِن تمام معاملات میں) اللہ سے ڈرو بیشک اللہ توبہ کو بہت قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے"

- **ٹوہ لگانے سے پرہیز:** کسی کے گھر میں جھانکنا، چوری چھپے کسی کی باتیں سننا، کسی کے خطوط دیکھنا یا درمیان میں ٹیلی فون کی گفتگو سننا وغیرہ۔ مخفی برائیوں کا علاج جاسوسی نہیں بلکہ ان کی اصلاح تعلیم، وعظ و تلقین، عوام کی اجتماعی تربیت اور ایک پاکیزہ معاشرتی ماحول پیدا کرنے سے کی جائے گی۔
- غیبت سے اجتناب کرنا چاہیے البتہ درج ذیل صورتوں میں کسی کی غیبت کرنے یعنی اس کے عیوب بیان کرنے کی اجازت ہے:

۱۔ مظلوم، حاکم اور مستفتی عالم کے سامنے پیش کردہ معاملہ کی وضاحت کے لیے ۲۔ کسی کے شر سے بچانے کیلیے۔ ۳۔ قانونِ جرح و تعدیل۔

لیکچر نمبر6: قرآن وعلوم القرآن - IV (ماڈیول2- 27 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الحجرات13)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔ (الحجرات:13)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے"

- اسلام میں برتری کا واحد معیار صرف تقویٰ ہے۔
- جاہلیت میں ترجیح و برتری کی بنیاد نسلی امتیازات پر تھی، قرآن مجید نے اسلامی معاشرہ کی بنیاد، انسانی ہمدردی، پر رکھی اور نسلی امتیازات کو یکسر ختم کر دیا

لیکچر نمبر6: قرآن وعلوم القرآن - IV (ماڈیول3- 28 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الحجرات14- 18)

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (الحجرات:14) "دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ فرما دیجئے: تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال (کے ثواب میں) سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے"

- معروف مفسر امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۲۔ ایمان و اسلام کا باہمی تعلق: **کبھی مترادف**۔ دل کا یقین اور ظاہری فرمانبرداری۔ **کبھی مختلف المعانی**۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ (الحجرات:15)

"ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں"

- ایمان کے بعد شک میں مبتلا نہیں ہونا، پھر اپنی جانوں اور مال سے جہاد کرتے ہیں یہی لوگ ایمان صادق والے ہیں۔

قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ(الحجرات:16)

"فرمائیے: کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتلاتے ہو، حالانکہ اللہ اُن (تمام) چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے"

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ (الحجرات:17)

”یہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ فرمادیجئے: تم اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا ہے، بشرطیکہ تم (ایمان میں) سچے ہو“

- ان کے خیال میں یہ ان کا رسول اللہ ﷺ پر احسان تھا جس کا آپ ﷺ کو خیال رکھنا چاہیے تھا اور اس کے بدلے میں ان کے تقاضے اور فرمائشیں پوری کرنی چاہیے تھیں، جیسے چودھری اور سردار کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہو کر اس پر احسان رکھتے ہیں اور پارٹی کے سربراہ سے اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ (الحجرات:18) ”یہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ فرمادیجئے: تم اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا ہے، بشرطیکہ تم (ایمان میں) سچے ہو“ مزید تاکید فرمائی کہ یہ نہ سمجھنا کہ وہ آسمان وزمین کی انھی اشیاء کو جانتا ہے جو ظاہر ہیں، بلکہ وہ ان اشیاء کو بھی جانتا ہے جو نگاہوں سے غائب ہیں، خواہ پہلے گزر چکی ہیں یا اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گی اور تم جو کچھ کر رہے ہو یا آئندہ کرو گے اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

لیکچر نمبر7: القرآن وعلوم القرآن - V (ماڈیول1- 29 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ المومنون:1-11)

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾ (المؤمنون:1-11)

” بیشک ایمان والے مراد پا گئے،(1) جو لوگ اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں،(2) اور جو بیہودہ باتوں سے (ہر وقت) کنارہ کش رہتے ہیں،(3) اور جو (ہمیشہ) زکوٰۃ ادا (کر کے اپنی جان و مال کو پاک) کرتے رہتے ہیں،(4) اور جو (دائماً) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں،(5) سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جو ان کے ہاتھوں کی مملوک ہیں، بیشک (احکامِ شریعت کے مطابق ان کے پاس جانے سے) ان پر کوئی ملامت نہیں،(6) پھر جو شخص ان (حلال عورتوں) کے سوا کسی اور کا خواہش مند ہوا تو ایسے لوگ ہی حد سے تجاوز کرنے والے (سرکش) ہیں،(7) اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں،(8) اور جو اپنی نمازوں کی (مداومت کے ساتھ) حفاظت کرنے والے ہیں،(9) یہی لوگ (جنت کے) وارث ہیں،(10) یہ لوگ جنت کے سب سے اعلیٰ باغات (جہاں تمام نعمتوں، راحتوں اور قربِ الٰہی کی لذتوں کی کثرت ہو گی ان) کی وراثت (بھی) پائیں گے، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،(11)“

لیکچر نمبر7: القرآن وعلوم القرآن - V (ماڈیول2- 30 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الفرقان:63-66)

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا۔ (الفرقان:63) ”اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں“

- چال انسان کے خیالات کی عکاس ہوتی ہے۔ کیونکہ تکبر، وقار و عاجزی، لا اُبالی پن، بے مقصدی سب چال سے ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔
- جاہل سے مراد ضدی، کج بحث اور اکھڑ انسان ہے۔
- سلام سے مراد، سلام متارکت یعنی ترکِ بحث و مجادلہ ہے۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا۔ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا۔ (الفرقان:64-66) ”اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے سجدہ ریزی اور قیام (نیاز) میں راتیں بسر کرتے ہیں۔ اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو (ہمہ وقت حضورِ باری تعالیٰ میں) عرض گزار رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹالے، بیشک اس کا عذاب بڑا مہلک (اور دائمی) ہے۔ بیشک وہ (عارضی ٹھہرنے والوں کے لئے) بُری قرار گاہ اور (دائمی رہنے والوں کے لئے) بُری قیام گاہ ہے“

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾[الذّاریات:15-17]

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا برکت والا رب تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر تشریف لاتا ہے جبکہ رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اسے دے دوں، کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے اور میں اسے بخش دوں۔

جہنم کے عذاب کے مناظر: 1۔ آنتوں اور کھالوں کو بار بار جلایا جانا۔ (النساء:56) 2۔ کانٹے دار جھاڑیوں کا کھانا دیا جانا۔ (الغاشیہ:6)

3۔ لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا پانا۔ (الحج:21،22) 4۔ دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی دیا جانا۔ (الانعام:70) 5۔ دوزخیوں کو پیپ پلایا جانا۔ (النبا:25)

6۔ آگ کا لباس پہنایا جانا۔(الحج:19)

لیکچر نمبر7:القرآن وعلوم القرآن - V (ماڈیول3- 31 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الفرقان:67-71)

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا۔ (الفرقان:67) ”اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے“

- اس آیت میں عباد الرحمٰن کے مالی معاملات کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔
- میانہ روی : دین اسلام کی یہ بھی خوبی ہے کہ دین عبادات اور معاملات دونوں میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
- آدمی کے سمجھدار ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے اخراجات میں میانہ روی اختیار کرے۔ نیز فرمایا ہے جو میانہ روی اختیار کرے گا وہ محتاج نہیں ہوگا (مسند احمد)

اسراف وتبذیر میں فرق: **اسراف** ضرورت کے کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں مثلاً اپنے کھانے پینے یا لباس وغیرہ میں زیادہ خرچ کرنا اور **تبذیر** ایسے کاموں میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں جن کا ضرورت زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو جیسے فخر، ریا نمود و نمائش اور فسق وفجور کے کاموں میں خرچ کرنا۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (الاسراء: 27) بیشک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا۔ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا۔ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا۔ (الفرقان:68-71)

”اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پوجا نہیں کرتے اور نہ (ہی) کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے بغیرِ حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے اور نہ (ہی) بدکاری کرتے ہیں، اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سزائے گناہ پائے گا (68) اس کے لئے قیامت کے دن عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ رہے گا، (69) مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے، (70) اور جس نے توبہ کر لی اور نیک عمل کیا تو اس نے اللہ کی طرف (وہ) رجوع کیا جو رجوع کا حق تھا“

- کسی کو معبود سمجھتے ہوئے پکارنا شرک ہے۔
- رسول اللہ (ﷺ) سے سوال کیا گیا، کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا، یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ یہ کہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اس نے کہا، اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا، اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی، اس نے پوچھا، پھر کون سا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا، یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ ان باتوں کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

لیکچر نمبر7:القرآن وعلوم القرآن - V (ماڈیول4- 32 : مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الفرقان: 72-76)

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾ (الفرقان:72-74)

”اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو کذب اور باطل کاموں میں (قولاً اور عملاً دونوں صورتوں میں) حاضر نہیں ہوتے اور جب بے ہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو (دامن بچاتے ہوئے) نہایت وقار اور متانت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، (72) اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور و فکر بھی کرتے ہیں)، (73) اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو (حضور باری تعالیٰ میں)

عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے (74)“

- مندرجہ بالا آیات میں عبادالرحمان کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ عبادالرحمٰن سے مراد رحمان کے بندے ہیں یعنی وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی بارگاہ میں مقبولیت عطا کر رکھی ہے اور ان کی صفات کو بطور مثال کے قرآن حکیم میں ذکر فرمایا ہے۔
- شہادۃ اور زور کا معنیٰ: حاضر ہونا، گواہی دینا۔ زور کا معنی محض جھوٹ نہیں بلکہ ہر باطل اور لغو کام بھی زور میں شامل ہے۔
- آیت کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کوئی لغو اور بے ہودہ قسم کا کام ہو رہا ہو۔ اللہ کے بندے وہاں حاضر ہو کر تماشائی نہیں بنتے بلکہ ایسی جگہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔
- آیاتِ الٰہیہ سے اعراض وغفلت نہیں برتتے، بہروں اور اندھوں کی طرح۔ بلکہ وہ غور اور توجہ سے سنتے ہیں اور اللہ کے کلام میں غور وفکر کرتے ہیں۔
- اللہ کے بندے نا صرف خود راہ راست پر گامزن ہوتے ہیں بلکہ اپنے اہل خانہ یعنی بیوی اور بچوں کے لیے بھی نیکی کی توفیق مانگتے ہیں۔
- اور یہ کہ ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ سیاسی امارت کا مطالبہ کرنا، دنیوی عہدوں کا طالب ہونا ناپسند کیا گیا ہے مگر نیکی کے کاموں میں اتنا بڑھ جانا اور دعا کرنا کہ لوگ نیکی کی راہ میں آپ کو پیشوا مانیں اس دعا اور خواہش کو پسند کیا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ (الفرقان:75 تا 76)

”انہی لوگوں کو (جنت میں) بلند ترین محلات ان کے صبر کرنے کی جزا کے طور پر بخشے جائیں گے اور وہاں دعائے خیر اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا، (75) یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ (بلند محلاتِ جنت) بہترین قرار گاہ اور (عمدہ) قیام گاہ ہیں، (76)“

- یہاں ان بندوں سے صبر کے انعام میں جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صبر کیا ہے؟ صبر یہ نہیں کہ کسی نعمت، قدرت اور طاقت کے نہ ہونے پہ صبر کر لیا جائے بلکہ صبر یہ ہے کہ کسی کام کی قدرت ہوتے ہوئے بھی محض اللہ کی رضا کے لئے اس سے رک جانا، کسی گناہ کا موقع پا کر بھی اس کی خواہش ہونے کے باوجود اس سے کنارہ کر لینا یہ صبر ہے۔
- جنت میں ان کا استقبال سلام اور خیر کے کلمات سے کیا جائے گا انہیں اکرام کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا۔ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے جو بہترین قرار گاہ ہے۔

جنت میں کھانے کو پاکیزہ پھل ملیں گے، تمام جنتی بیماری، نقاہت اور ہر قسم کی بیماری سے پاک ہوں گے۔ تمام جنتی اللہ کی رحمت، اس کی خوشنودی و رضا کے سائے تلے ہمیشہ خوش وخرم شادو آباد رہیں گے۔

لیکچر نمبر 8: القرآن وعلوم القرآن-VI

(ماڈیول1- 33: مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الاحزاب:40)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ (الاحزاب:40)

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے"

یہ آیت مبارکہ نبی اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر واضح دلیل ہے۔

۱۔ خاتمؐ مہر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ (ﷺ) پر نبوت ورسالت کا خاتمہ کر دیا گیا۔

۲۔ زید بن حارثہ کو آپ ﷺ نے اپنا متبنی بنایا تھا۔ آپ ﷺ اس کا اعلان خانہ کعبہ میں کر رکھا تھا۔ لوگ انھیں زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ جب حضرت زید نے اپنی زوجہ حضرت زینب کو طلاق دی تو آپ ﷺ کو ان سے نکاح کرنے کا حکم ہوا جس پر عرب کی روایات کے مطابق چہ مگوئیاں ہونے لگیں کہ (معاذاللہ) رسول اللہ ﷺ نے اپنی سابقہ بہو سے نکاح کر لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ﷺ زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کے بھی باپ نہیں ہیں، جس پر انہیں مورد طعن بنایا جاسکے کہ انہوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کر لیا؟ بلکہ وہ تو لے پالک ہیں۔ حقیقی اولاد وہ ہی ہے جو اپنی نسل سے پیدا ہو۔

۳۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۴۔ نبوت، عطاء الٰہی ہے۔ اس میں تدریج نہیں ہوتی۔ مھدی، مسیح، ظلی بروزی نبوت کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔

۵۔ تمثیلاً فرمایا کہ میری آمد سے قصرِ نبوت کی تکمیل ہوگئی۔

۶۔ ایک بار آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی مناسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صحیح البخاری:4416)

(ماڈیول2- 34: مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الاحزاب:56-58)

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا۔ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا

(الاحزاب:56تا58) بیشک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِ (مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو، (56) بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لئے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے، (57) اور جو لوگ مومن مَردوں اور مومن عورتوں کو اذیتّ دیتے ہیں بغیر اِس کے کہ انہوں نے کچھ (خطا) کی ہو تو بیشک انہوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (اپنے سَر) لے لیا، (58)

- اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ملائکہ کے عمل کا حوالہ دے کر فرمایا: ایمان والو تم بھی درود و سلام بھیجا کرو۔
- سنتِ الٰہیہ اور سنت رسول ﷺ میں فرق۔ درود سنتِ الٰہیہ ہے اس میں وقت کی کوئی قید نہیں۔

(ماڈیول3- 35: مطالعہ متنِ قرآن: سورۃ الاحزاب:6، 21)

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۗ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا (الاحزاب: 6) یہ نبی(مکرّم) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں اور آپ کی اَزواجِ (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں، اور خونی رشتہ دار اللہ کی کتاب میں (دیگر) مومنین اور مہاجرین کی نسبت (تقسیمِ وراثت میں) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں سوائے اس کے کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو، یہ حکم کتابِ (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے

۱۔ آپ مومنوں کے ان کی ذات سے بھی زیادہ خیر خواہ ہیں۔ ۲۔ تمام لوگوں سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو میری محبت، اولاد، والدین اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو"

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا الاحزاب: 21

فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ (کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

۱۔ اگرچہ یہ آیت غزوہ احزاب کے پسِ منظر میں نازل ہوئی لیکن یہ حکم عام ہے یعنی آپ (ﷺ) کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لئے آپ (ﷺ) کی اقتدا ضروری ہے۔ چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے، یا سیاست سے، زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾ **الآية (الحشر)** اور ﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ﴾ **الآية (آل عمران: 31)** کا مفہوم بھی یہی ہے۔

۲۔ ہر طبقہ زندگی کا شخص مخاطب ہے۔ پس آپ ﷺ کی زندگی ہر ایک کیلیے نمونہ ہے۔

لیکچر نمبر 9: حدیث وعلوم الحدیث- I

(ماڈیول 1- 36: علم حدیث کا تعارف اور بنیادی تصورات)

حدیث کا لفظی مفہوم: لفظی اعتبار سے حدیث کے معنی ہیں: گفتگو اور نئی چیز۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد "کلام" ہے:

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ (الطور:52:34) پس انہیں چاہئے کہ اِس (قرآن) جیسا کوئی کلام لے آئیں اگر وہ سچے ہیں

علامہ جوہری کے مطابق: الحدیث الکلام قلیلہ وکثیرۃ وجمعہ احادیث "حدیث کے معنی کلام کے ہیں خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اس کی جمع احادیث ہے"

حدیث کا اصطلاحی مفہوم: علماء حدیث کی اصطلاح میں حدیث سے مراد رسول اکرم ﷺ کے اقوال، افعال، اور تقریر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے برقرار رکھی گئی بات یا کام) احوال اور صفاتِ رسول ﷺ کو حدیث کہتے ہیں

علم حدیث کا تعارف: حدیث وسنت: محدثین اور بالخصوص متاخرین محدثین کے ہاں حدیث وسنت مترادف الفاظ ہیں۔

سنت کا لفظی معنیٰ ہے چلنے کا راستہ، اور چلنے کا راستہ وہی ہوتا ہے جس پر بار بار چلا جائے، اس پر آنا جانا معمول کا حصہ ہو۔

جیسے نماز میں بچے کو اُٹھانا اور کسی موقع پر بوجہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اگرچہ حدیث میں موجود ہے مگر سنت نہیں۔

حدیث کی بنیادی اقسام: حدیث قولی: وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کا فرمان مذکور ہو۔ مثال: انما الاعمال بالنیات

حدیث فعلی: وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کا فعل مذکور ہو۔ مثال: نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ صفیں درست فرماتے، جب ہم سیدھے کھڑے ہو جاتے تو "اللہ اکبر" کہہ کر نماز شروع فرماتے۔" (ابوداؤد، 662)

حدیث تقریری: وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کا کسی بات پر خاموش رہنا مذکور ہو۔ بعض دفعہ حضور ﷺ خاموش رہ کر اجازت مرحمت فرماتے ہیں اور بعض دفعہ اپنے عمل سے صراحت فرمادیتے ہیں۔ ذیل میں دونوں کی مثال درج کی جارہی ہے۔

خاموشی سے وضاحت: ایک شخص نے فجر کی سنتیں فرض نماز کے بعد ادا کیں۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ میری فجر کی سنتیں نماز سے پہلے رہ گئی تھیں میں نے وہ اب ادا کی ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔

عمل سے وضاحت: ایک سریہ میں مسلم لشکر کا شدید بھوک کی وجہ سے سمندر کے باہر مری پڑی بہت بڑی مچھلی عنبر کو کھانا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کچھ بچی ہوئی ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔

شمائل نبوی: وہ احادیث ہیں جن میں آپ ﷺ کے عادات واخلاق یا بدنی اوصاف مذکور ہوں۔

مثال: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ جواد (سخی) تھے۔ (صحیح بخاری، 6)

علمِ اُصول الحدیث کی تعریف: فن حدیث سے مراد ایسے قواعد وضوابط کا جاننا ہے جسکے ذریعے سند اور متن کی معلومات ہوں اور راوی ومروی کے، اور ان کے حالات کا علم ہو سکے جس کی بنیاد پر حدیث کے قبول یا مردود ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

علم حدیث کا موضوع: حدیث کے مقبول ومردود ہونے کے اعتبار سے اسکا موضوع 'سند ومتن' حدیث ہے۔

راویوں کی سیرت وکردار اور اُن کی سوانح وحالات تک صحیح معلومات کی رسائی کیلیے، اگرچہ محدثین نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا مگر پھر بھی انسانی فطرت کے تحت اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو متن میں دو باتیں ضرور پیشِ نظر رکھنی چاہیں۔

۱۔ کوئی چیز قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہونی چاہیے۔ ۲۔ کوئی چیز علم وعقل کے مسلّمات کے خلاف نہ ہو۔

حدیث مقبول ومردود: مقبول: وہ حدیث جو واجب العمل ہو۔ مردود: وہ حدیث جو مقبول نہ ہو، یعنی واجب العمل نہ ہو۔

لیکچر نمبر 9: حدیث وعلوم الحدیث-I(ماڈیول2- 37: حدیث مقبول و مردود)

مقبول حدیث کی اقسام: 1۔ صحیح لذاتہ: وہ حدیث جس میں صحت حدیث کی درج ذیل پانچ شرائط پائی جائیں:

ا۔ سند متصل ہو، یعنی حدیث کو ہر راوی نے اسے براہ راست اپنے سے پہلے راوی سے حاصل کیا ہو۔

۲۔ سند میں موجود ہر راوی عادل ہو، یعنی کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو، شائستہ طبیعت کا مالک اور با اخلاق ہو۔

۳۔ ہر راوی کامل الضبط ہو، یعنی حدیث کو تحریر یا حافظے کے ذریعے سے کماحقہ محفوظ کرے اور آگے پہنچائے۔

۴۔ وہ حدیث شاذ نہ ہو۔ یعنی حدیث میں کسی زیادہ قابل اعتماد راوی کی بیان کردہ کسی اور صحیح حدیث کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

۵۔ حدیث میں کوئی علت نہ پائی جا رہی ہو۔ حدیث بظاہر تو صحیح معلوم ہوتی ہو لیکن اس میں کوئی مخفی خامی ایسی ہو جس کی بنیاد پر حدیث کی صحت مشکوک ہو جائے۔

- صحیح حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اس بات پر حدیث، اصول فقہ اور فقہ کے ماہرین کا اتفاق رائے ہے۔ یہ شریعت کی حجتوں میں سے ایک ہے اور ایک مسلمان کو اسے ترک کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

2۔ **صحیح لغیرہ:** جب حسن حدیث کی ایک سے زائد سندیں ہوں تو وہ حسن کے درجے سے ترقی کر کے صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ اسے "صحیح لغیرہ" کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے غیر (دوسری سندوں) کی وجہ سے درجہ صحت کو پہنچی۔

3۔ حسن لذاتہ: وہ حدیث جس کے بعض راوی صحیح حدیث کے راویوں کی نسبت: «خفیف الضبط» "ہلکے حافظے والے" ہوں، باقی شرطیں وہی ہوں۔

4۔ حسن لغیرہ: وہ حدیث جس کی متعدد سندیں ہوں ہر سند میں معمولی ضعف ہو مگر متعدد سندوں سے اس ضعف کی تلافی ہو جائے تو وہ "حسن لغیرہ" کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

حدیثِ ضعیف: وہ حدیث ہے جس کی سند میں اتصال نہ ہو یا راوی عادل نہ ہو یا راوی کا حافظہ بہتر اور قابل اعتماد نہ ہو حدیث ضعیف کہلاتی ہے۔

بنیادی طور پر دو اسباب کی وجہ سے حدیث ضعیف کہلاتی ہے:

ا۔ سند میں کسی مقام پر راوی کا چھوٹ جانا۔ ۲۔ حدیث کے راویوں میں جن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے وہ نہ پائے جائیں۔

حافظ ابن الصلاح کے نزدیک ضعیف حدیث کی تعریف: "وہ حدیث جس میں نہ حدیث صحیح اور نہ ہی حدیث حسن کی صفات پائی جائیں وہ ضعیف ہے۔"

مردود حدیث کی اقسام راوی کے عادل نہ ہونے کی وجہ سے

متروک: وہ حدیث جس کا راوی عام بول چال میں جھوٹ بولتا ہو اور محدثین نے اس کی روایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو۔

موضوع: اصطلاح حدیث میں جب کسی راوی میں یہ عیب ثابت ہو جائے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولتا ہے اور من گھڑت باتیں ان کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کی روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

(ماڈیول3-38: اہمیت و حجیتِ حدیث)

نبی اکرم ﷺ کی تشریحی حیثیت: رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کا اختیار عطا فرمایا۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلے میں معتبر ترین ہے۔ اور وحی کی تشریح کرنا رسول اللہ ﷺ کا بنیادی منصب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النَّحْل، 16 : 44) ترجمہ: اور (اے نبیِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

نبی اکرم ﷺ کی تشریعی حیثیت: قرآن مجید کی متعدد آیات نبی کریم ﷺ کو تشریعی یا قانون سازی کے اختیارات تفویض کرتی ہیں۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ (الْأَعْرَاف:157) اوران کیلیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اوران پرناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

- رسالتِ مآب ﷺ کے فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ اچھی چیزوں کو جائز اور خراب اور گندی چیزوں کو ناجائز قرار دیں۔ یہ فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے الگ اور مختلف ہے۔
- اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں کے فیصلوں کو مسلمانوں کے لئے واجب التسلیم قرار دیا گیا ہے: **قَاتِلُواْ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ (التوبة: 29)** ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ (بھی جوابی) جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یومِ آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام قرار دیا ہے۔
- رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں فیصلے دینے کا قانونی اختیار حاصل ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان فیصلوں کی پابندی کریں۔
- **وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (الْحَشْر، 59 : 7)**

اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم و عطا پر کبھی زبانِ طعن نہ کھولو)، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

- **وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا**

(الاحزاب:36) ترجمہ: اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔

بعثتِ محمدی ﷺ کے مقاصد :

- **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ (الْبَقَرَة، 2 : 129)**

اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول ﷺ مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنا دے) اور ان (کے نفوس و قلوب) کو خوب پاک صاف کر دے، بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

- قرآن کریم کی یہ آیت نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے لیے مندرجہ ذیل وظائف بیان کرتی ہے:

۱۔ قرآن پاک کی تلاوت اور پڑھنے کے طریقے کے بارے میں آپ ﷺ کا طریقہ حجت ہے۔

۲۔ کتاب اللہ کی تشریح کے بارے میں آپ ﷺ کی بات حرفِ آخر ہے۔

۳۔ دینی رہنمائی پر مبنی حکمت سیکھنے کے لیئے آپ ﷺ کی ذات واحد سرچشمہ ہدایت ہے۔

۴۔ اپنی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کے لیئے لوگوں کی عملی تربیت کا فریضہ آپ ﷺ کو سونپا گیا ہے۔

- لہٰذا مندرجہ بالا فرائض کتاب اور حکمت کی تعلیم کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات آپ کے ماننے والوں کے لیئے واجب العمل ہوں۔ جبکہ عملی تربیت کا فریضہ متقاضی ہے کہ آپ ﷺ کے تمام افعال امت کے لیئے ایک مثال ہوں اور امت پیروی کی پابند ہو۔

عمومی طور پر احکام کے سلسلے میں قرآن نے دو اصطلاحات استعمال کیں ہیں:

اطاعت: **وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (آل عمران: 132)** ترجمہ: اور اللہ کی اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے.

اتباع: **قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي (آل عمران: 31)** ترجمہ: آپ فرمادیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

پہلی اصطلاح کا تعلق آپ ﷺ کے احکامات اور ارشادات سے ہے۔ دوسری اصطلاح کا تعلق آپ ﷺ کے اعمال و افعال سے ہے۔

یعنی اطاعت آپ ﷺ کے ارشادات اور اتباع سے آپ ﷺ کے افعال دونوں کو حتمی اور حجت قرار دیا ہے

لیکچر نمبر10: حدیث وعلوم الحدیث- II

(ماڈیول1- 39: عہدِ نبوی ﷺ میں تدوین حدیث)

تدوینِ حدیث سے مراد احادیثِ نبوی ﷺ کو کتابی شکل میں قلمبند کرنا۔ جیسے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ودیگر صحابہ کرامؓ کے مجموعات حدیث وغیرہ۔

- گیارہ ہزار صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جن کے نام ونشان آج تحریری صورت میں موجود ہیں۔ جن میں سے ہر ایک نے کم وبیش آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال وواقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے یعنی جنہوں نے روایتِ حدیث کی خدمت انجام دی ہے۔

- حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ "میں اور میرا ایک انصاری ہمسایہ قبیلہ بنو اُمیہ بن زید میں رہتے تھے اور یہ قبیلہ مدینہ کے باہر پورب (مشرق) کی طرف رہتا تھا ۔ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باری باری حاضر ہوتے، ایک روز وہ جاتا تھا اور ایک روز میں۔ میں جب جاتا تھا تو اس دن کی وحی وغیرہ سے متعلق خبریں اس انصاری کو بتا دیتا اور جس دن وہ جاتا، وہ بھی یوں ہی کرتا تھا۔(صحیح بخاری)
- حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ سے احادیث سن کر آتے تو مل کر دہرایا کرتے حتیٰ کہ وہ ازبر ہو جاتیں۔
- حضرت ابو سعیدؓ خدری فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے گرد بیٹھے ہوئے حدیث سنتے اور لکھتے تھے۔
- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور کے صحابہؓ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو مجھ سے زائد حدیثیں یاد ہوں، ہاں عبد اللہ بن عمروؓ کو (حدیثیں مجھ سے زائد یاد تھیں) کیونکہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔(صحیح بخاری)

کتابتِ حدیث کے لیے احکامِ نبوی ﷺ:

- حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی احادیث روایت کروں۔ میرا اِرادہ ہے کہ میں دل کے ساتھ ہاتھ سے لکھنے کی مدد بھی لوں، اگر آپ پسند فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
  اِن کان حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک (سنن الدارمی، 485) اگر میری حدیث ہو تو اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لو۔
- انصار میں سے ایک صحابی نے آپ ﷺ سے شکایت بیان کی کہ وہ بعض اوقات آپ ﷺ سے سنی ہوئی احادیث بھول جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔"
- حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم آپ سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: لکھ لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔
- عبد اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا، اسے لکھ لیتا تھا، اس ارادے سے کہ اسے یاد کرلوں گا، لیکن قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ سے جو کچھ سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالانکہ آپ ﷺ بشر ہیں اور غصہ میں بھی فرمادیتے ہیں۔ میں نے لکھنا ترک کر دیا پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جو مجھ سے سنا کرو ضرور لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میری زبان سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ عہدِ نبویؐ کے خطوط: عالم اسلام کے نامور مؤرخ ڈاکٹر حمید اللہؒ کا بیان ہے کہ عہدِ نبوی کے کوئی پونے تین سو مکتوب یکجا کیے جاچکے ہیں۔[رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۳۱۱]

تبلیغی خطوط: صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے دنیا کے چھ مشہور حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ فرمائے اور ان پر اپنی مہر بطورِ دستخط ثبت فرمائی۔

قیصر وکسریٰ وغیرہ کے نام خطوط کا ذکر صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور خط پر مہر لگانے کیلئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔[طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۲۹]

نومسلم وفود کے لیے صحائف: جب حضرت وائل بن حجر نے (مدینہ سے) اپنے وطن (حضر موت، یمن) لوٹنے کے ارادے پر رسول اللہ ﷺ کے حضور عرض کیا"یارسول اللہ !میری قوم پر میری سیادت کا فرمان لکھوا دیجئے۔"رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے تین ایسے فرمان لکھوا کر وائل کے سپرد فرمائے۔ آپ نے مندرجہ ذیل وفود کو بھی اسلامی احکام پر مشتمل صحیفے الگ الگ لکھوا کر عنایت فرمائے: وفد قبیلہ خثعم، وفد الرہاویین، وفد ثمالۃ والحدان۔ [الوثائق السیاسیۃ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۱۴۲ تا ۱۴۴]

تحریری معاہدے: ہجرت کے فوراً بعد مختلف قبائل عرب اور دوسری اَقوام سے آپ کے معاہدات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے "الوثائق السیاسیۃ"میں ایسے تحریری معاہدات کی بہت بڑی تعداد جمع کر دی ہے۔میثاقِ مدینہ بھی تحریر کیا گیا۔اسی طرح چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا گیا۔اس معاہدے کو حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا تھا۔اس کی ایک نقل قریش نے لے لی اور ایک آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس رکھی۔

جاگیروں کے ملکیت نامے: رسول اللہ ﷺ نے بہت سے لوگوں کو جاگیریں عطا فرمائیں اور ان کے ملکیت نامے بھی تحریر کروا کے دیئے۔ مثلاً حضرت زبیر بن العوامؓ کو ایک بڑی جاگیر عطا فرماتے وقت یہ دستاویز لکھوا کر دی:"یہ دستاویز محمد رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو دی ہے ان کو سوارق پورا کا پورا بالائی حصہ عطا فرمایا ہے،اس کے مقابلے میں کوئی اپنا حق اس میں نہ جتائے۔(طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۲ ص ۴۰۸)

اَمان نامے: آپ نے بہت سے افراد اور خاندانوں کو امان نامے لکھوا کر عطا فرمائے۔ان کا ذکر طبقاتِ ابن سعد میں بھی ملتا ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر صدیق کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ سے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر اَمان نامہ سراقہ بن مالک کو لکھوا دیا۔[صحیح بخاری ۲ ص ۴۴۶]

بیع نامے: رسول اللہ ﷺ قیمتی اشیاء کی خرید و فروخت کے وقت ان کی دستاویز بھی لکھوایا کرتے تھے۔عبد المجید بن وہب روایت کرتے ہیں کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے ان سے کہا: کیا میں تمہیں ایسی تحریر نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے تحریر کرائی تھی۔انہوں نے کہا: کیوں نہیں!اس پر انہوں نے ایک تحریر نکالی،اس میں لکھا تھا:یہ اقرار نامہ ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے خریداری کی،[جامع ترمذی ج ا ص ۲۶۴]

(ماڈیول2- 40:دورِ صحابہؓ میں تدوین حدیث)

صحابہ کرام کو کتابتِ حدیث کا حکم: 1۔انصار میں سے ایک صحابی نے آپ ﷺ سے شکایت بیان کی کہ وہ بعض اوقات آپ ﷺ سے سنی ہوئی احادیث بھول جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔(جامع ترمذی:2714) 2۔رافع بن خدیج فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم آپ سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا" لکھ لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں"۔3 حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا، اسے لکھ لیتا تھا، اس ارادے سے کہ اسے یاد کر لوں گا، لیکن قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ سے جو کچھ سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالانکہ آپ ﷺ بشر ہیں اور غصہ میں بھی فرمادیتے ہیں۔میں نے لکھنا ترک کر دیا پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جو مجھ سے سنا کرو ضرور لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔میری زبان سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔(مسند احمد،ج2،ص126)

صحیفہ صادقہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کو حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ سے کتابت حدیث کی کامل طور پر اجازت بلکہ حکم مل چکا تھا۔لہذا آپ نے جو بھی سنا اس کو لکھا۔ آپ نے اپنے صحیفہ کا نام ''الصادقہ '' رکھا تھا، آپ نے بلاواسطہ روایات کو اس میں جمع کیا تھا۔خود فرماتے ہیں: یہ صحیفہ صادقہ ہے،اس میں وہ

احادیث درج ہیں جو میں نے خود حضور ﷺ سے سنی ہیں، اس کی روایت کے لیے میرے اور حضور کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ آپ کو یہ صحیفہ بہت عزیز تھا۔

اس کے علاوہ بھی صحابہ کرامؓ کے دور میں احادیث کے چھوٹے بڑے مختلف مجموعے تیار کر لیئے گئے تھے:

حضرت ابوہریرہؓ کا مجموعہ حدیث: آپ ﷺ سے سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والوں میں حضرت ابوہریرہؓ سرفہرست ہیں۔ آپ سے 5374 احادیث مروی ہیں۔ فقہ اسلامی میں احکام سے متعلق تین ہزار احادیث میں سے 1500 احادیث مروی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد انہوں نے اپنی پوری زندگی احادیث کی حفاظت اور نقل کے لیے وقف کر دی تھی۔ پہلے پہل آپ روایات نہیں لکھا کرتے تھے مگر آپؓ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں احادیث لکھ لی تھیں۔ چنانچہ ایک بار حضرت حسن بن امیہ الضمری نے آپ کے سامنے ایک روایت بیان کی۔ اس پر حضرت ابوہریرہؓ آپ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور وہی روایت ایک لکھے ہوئے صحیفہ میں دکھائی اور کہا: "یہ روایت ہمارے پاس لکھی ہوئی موجود ہے۔" صحیفہ ہمام بن منبہ جس کا اصل نام الصحیفہ الصحیحہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شاگرد ہمام بن منبہ نے مرتب کیا اور اپنے استاد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پیش کر کے اس کی تصحیح وتصویب کروائی۔ اس صحیفے میں کل 138 احادیث ہیں۔ عبد الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں: صحیفہ ہمام بن منبہ، جسے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے حال ہی میں شائع کیا ہے، یہ صحیفہ پورے کا پورا مسند امام احمد بن حنبل میں مندرج ہے۔ اور بعینہ اسی طرح درج ہے جس طرح قلمی نسخوں میں ہے ماسوائے چند لفظی اختلافات کے۔ صحیفہ مذکور اور مسند احمد بن حنبل میں تقریباً 200 سال کا عرصہ حائل ہے۔ اور دو سو سال کے عرصے میں صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایات زیادہ تر زبانی روایات کے ذریعے ہی امام موصوف تک منتقل ہوتی رہیں۔ دونوں تحریروں میں کمال یکسانیت کا ہونا کیا اس بات کا واضح ثبوت نہیں کہ زبانی روایات کا سلسلہ مکمل طور پر قابل اعتماد تھا۔ صحیفہ کی اشاعت اور تقابل کے بعد دو باتوں میں ایک بات بہر حال تسلیم کرنا پڑتی ہے:

۱۔ زبانی روایات، خواہ ان پر دو سو سال گزر چکے ہوں، قابل اعتماد ہو سکتی ہیں۔ ۲۔ یہ کہ کتابتِ حدیث کا سلسلہ کسی بھی وقت منقطع نہیں ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی احادیث: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ آپ کی خالہ تھیں۔ آپ نے 1660 احادیث روایت کیں۔ موسیٰ ابن عقبہ کہتے ہیں کریب نے ہمارے لیے ابن عباسؓ کی کتب کا اونٹ بھر بوجھ چھوڑا۔ جب علی بن عبد اللہ بن عباس کو کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو وہ کریب کو لکھ بھیجتے کہ مجھے فلاں کتب بھیج دیں۔ پھر (کریب) اس کتاب کا نسخہ تیار کرتے اور دو میں سے ایک نسخہ انہیں بھیج دیتے۔

سیدہ عائشہؓ کی احادیث: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ سیدنا ابو موسی اشعریؓ فرماتے ہیں: مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا۔ "ہم صحابہ کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے عائشہؓ سے پوچھا ہو اور اس کے متعلق ان کے پاس کچھ معلومات ہمیں نہ ملی ہوں۔"

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی مرویات: آپ کی مرویات کی تعداد 2210 ہے۔ اس میں متفق علیہ 174 ہیں جو بخاری اور مسلم دونوں میں روایت ہوئی ہیں۔ بقیہ میں سے صحیح بخاری میں 54 اور صحیح مسلم میں 69 بیان ہوئی ہیں۔ بقیہ احادیث دیگر کتب حدیث میں ہیں۔ روایت کی کثرت، تفقہ اور قوت استنباط کے علاوہ سیدہ عائشہؓ کی مرویات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام وواقعات کو نقل کرتی ہیں ان کے علل واسباب بھی بیان کرتی ہیں۔ اور اگر کوئی خاص حکم مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے تو ان کی تشریح بھی بیان کرتی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی مرویات: آپؓ کی روایات کی تعداد 2620 ہے۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے بھائی ہونے کی حیثیت سے آپ کو چونکہ حرم نبوی میں آمد ورفت کی سہولت حاصل تھی، اس لیے آپؓ کو حدیث نبوی ﷺ سے استفادہ کرنے میں سہولت تھی۔

صَحِیْفَہ: صحف کا واحد ہے، اس کے لفظی معنی عربی میں پھیلی ہوئی چیز، لکھا ہوا ورق، رسالہ، چھوٹی کتاب کے ہیں۔

صحیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ: آپ نے احادیث کا ایک مجموعہ یعنی صحیفہ مرتب کیا تھا، جس میں پانچ سو کے قریب احادیث تھیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس کو جلا دیا تھا، اس کی وجہ بھی خود بیان کی تھی فرمایا: مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں میری موت آجائے اور اس مجموعہ میں بعض ایسی احادیث بھی ہوں، جو میں نے ایسے شخص سے سنی ہوں، جس پر میں نے اعتماد کر لیا ہو، مگر فی الحقیقت ایسا نہ ہو اور میں اللہ کے ہاں اس کی روایت کا ذمہ دار ہو جاؤں۔

صحیفہ حضرت عمر فاروقؓ: حضرت عمر فاروقؓ کا بھی ایک صحیفہ تھا، جو آپ کی تلوار کے پر تلے میں محفوظ کیا ہوا تھا۔ ایک بار ورثہ کے متعلق ایک مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جو مال بیٹا یا باپ جمع کرے وہ اس کے عصبہ کے لیے ہے خواہ وہ کوئی ہو (اولاد کے یا باپ کے مر جانے کے بعد ماں کے وارثوں کو نہ ملے گی) پھر حضرت عمرؓ نے اس فیصلہ کو لکھ کر دے دیا اور اس پر بطورِ شہادت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، زیدؓ بن ثابت اور ایک اور آدمی کے دستخط کرائے۔ ایسا ہی خلیفہ عبد الملک کے زمانہ میں مقدمہ پیش ہوا، تو عبد الملک نے حضرت عمرؓ کی اس (حدیثوں کی) کتاب کے مطابق فیصلہ کیا۔

صحیفہ حضرت عثمانؓ: حضرت عثمانؓ کے پاس بھی احادیث کے ایک ذخیرہ موجود تھا۔ ایک بار حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ سے فرمایا: اس کتاب کو حضرت عثمان کے پاس لے جاؤ اور ان سے اس پر عمل کے لئے کہو۔ کیونکہ اس میں آپ ﷺ کے احکام مندرج ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں اس سے مستغنی ہوں یعنی میرے پاس یہ احکام موجود ہیں۔ [صحیح بخاری۔ فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۲۰/۴۶۷۔ رقم: ۴۹۸۷]

صحیفہ حضرت علیؓ: حضرت علیؓ نے بھی نبی کریم ﷺ کے دور میں کچھ احادیث کو تحریری شکل میں مرتب کیا تھا۔ آپ اس صحیفہ کو اپنی تلوار کی نیام کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس صحیفہ کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ "میں نے قرآن کریم اور اس مسودے میں جو کچھ ہے ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اور کچھ نہیں لکھا۔ اس میں قصاص، دیت، فدیہ، اسلامی مملکت کے لیے احکام، غیر مسلموں کے حقوق، وراثت کے خصوصی نوعیت کے کچھ مسائل، متفرق عمروں کے اونٹوں پر زکوٰۃ کے اصول اور شہر مدینہ کی تقدیس و حرمت کے کچھ احکامات درج تھے۔ یہ مسودہ رسالت مآب نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا تھا۔

(ماڈیول 3-41: کتب حدیث کی اقسام)

صحیح: حدیث مبارکہ کی وہ کتاب جس کے مؤلف نے اپنی کتاب میں صحیح روایات (یعنی صحیح حدیث کی شرائط پر پورا اُترنے والی روایات) لانے کا التزام کیا ہو جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان وغیرہ

جامع: حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں اسلام کے تمام بنیادی امور سے متعلق روایات بیان کی گئی ہوں، یعنی سِیَر (سیرت کی جمع)، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط (علامات قیامت)، فضائل و مناقب۔ ان آٹھ موضوعات تعلق رکھنے والی احادیث روایت کی گئی ہوں۔ جیسے: جامع ترمذی

سنن: حدیث کی وہ کتاب جس کی ترتیب ابواب فقہیہ کے اعتبار سے ہو اور صرف عملی احکام سے متعلق احادیثِ احکام فقہی ترتیب و تبویب (کتاب الطہارۃ سے کتاب الفرائض تک) ذکر کی جائیں۔ جیسے:۔ سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی، سنن دار قطنی، سنن بیہقی اور السنن الکبریٰ وغیرہ۔

مسند: حدیث کی وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی روایات علیٰحدہ جمع کی جائیں، راویوں کی ترتیب کبھی باعتبار فرق مراتب ہوتی ہے اور کبھی باعتبار اسماء۔ (حروف تہجی کی ترتیب پر) جیسے۔ مسند امام احمد، مسند ابو داؤد طیالسی

اربعین: حدیث کی وہ کتاب جس میں کسی خاص موضوع یا متعدد موضوعات پر چالیس احادیث جمع کی گئی ہوں۔ جیسے:۔ الاربعین لاحمد، الاربعین للنووی۔

جزء: علم حدیث میں اس سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے کہ جس میں صرف ایک راوی یا ایک جزوی مسئلے کی احادیث جمع کی گئی ہوں۔ اسے فرد بھی کہتے ہیں۔ جیسے جزء رفع الیدین للبخاری

الموضوعات: وہ کتاب جس میں موضوع یعنی گھڑی ہوئی احادیث کو جمع کیا گیا ہو۔ جیسے:۔ الموضوعات لابن الجوزی

المستدرک: حدیث کی کتاب جس میں کسی خاص کتاب کے مصنف کی شرائط کے مطابق رہ جانے والی احادیث کو جمع کیا گیا ہو۔یعنی ایسی روایات جمع کی گئی ہوں جو کسی دوسرے مصنف کی شرائط کے مطابق ہوں لیکن اُس کی کتاب میں نہ ہوں۔ جیسے:۔امام حاکم کی متدرک علیٰ الصحیحین۔

(ماڈیول 4 - 42: مشہور کتب حدیث کا تعارف)

صحاح، صحیح کی جمع ہے اور "ستہ" عربی زبان میں چھ کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں صحاح ستہ سے مراد حدیث کی وہ چھ کتابیں ہیں جنہیں علماء نے اجتماعی طور پر شرف قبولیت بخشا۔ یہ چھ کتب درج ذیل ہیں: ۱۔ صحیح بخاری ۲۔ صحیح مسلم ۳۔ جامع ترمذی ۴۔ سنن ابی داؤد ۵۔ سنن نسائی ۶۔ سنن ابن ماجہ
انہیں "اُصولِ ستّہ" یا "کُتبِ ستّہ" بھی کہا جاتا ہے۔ پہلی دو کتابیں "صحیحین کہلاتی ہیں اور یہ صرف اپنے مؤلفین کے نزدیک ہی صحیح نہیں ہیں بلکہ پوری امت کے نزدیک صحت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔ جبکہ آخری چار کتابوں کو سنن اربعہ کہتے ہیں۔ گو ان میں ضعیف احادیث موجود ہیں، تاہم صحیح حدیثوں کی کثرت کی وجہ سے علماء انہیں "صحاح ستہ" میں شمار کرتے ہیں۔

صحیح البخاری: نام مؤلف: محمد بن اسماعیل البخاری، کنیت: ابو عبد اللہ لقب: امیر المؤمنین فی الحدیث، مقامِ ولادت: بخارا (از بکستان)، ولادت: 13 شوال 194 ہجری وفات: 256 ہجری کتاب کا نام: الجامع المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ و أیامہ احادیث: 7275؛

صحیح بخاری کا امتیاز: اس کا امتیاز اس کی صحت کا معیار ہے۔ امام بخاریؒ نے روایت کو قبول کرنے کے لیے اس کے مسند اور مرفوع ہونے کے ساتھ اس کی صحت کی ایسی شرائط قائم کی ہیں اور ان کی پابندی کا اہتمام کیا ہے جس نے جمہور محدثین کے ہاں بخاری شریف کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کا درجہ دلا دیا ہے۔

صحیح مسلم: نام مؤلف: مسلم بن الحجاج، کنیت: ابو الحسن، لقب: عساکر، تاریخ ولادت: 206 ہجری، تاریخ وفات: 261 ہجری، مقام ولادت: خراسان کا شہر نیشاپور، کتاب کا نام: المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ ﷺ، احادیث 7428:

صحیح مسلم کتب صحاح ستہ میں دوسرے درجہ کی کتاب ہے۔ امام مسلم نے اس کی احادیث کو انتہائی محنت اور کاوش سے ترتیب دیا ہے۔ حسن ترتیب اور تدوین کی عمدگی کے لحاظ سے یہ صحیح بخاری پر بھی فوقیت رکھتی ہے اور زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک اس کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل رہا ہے۔

جامع ترمذی: نام مؤلف: محمد بن عیسیٰ بن سَورۃ بن موسیٰ کنیت: ابو عیسیٰ، تاریخ و مقام ولادت: 209 ہجری (ترمذ) وفات: 279 ہجری
کتاب کا نام: الجامع المختصر من السنن عن رسول اللہ ﷺ ومعرفۃ الصحیح والمعلول وماعلیہ العمل (معروف نام کتاب الجامع اور جامع ترمذی ہیں) احادیث: 3956

جامع ترمذی کی خصوصیات: 1۔ ایسی احادیث درج کی گئی ہیں جن پر کسی فقیہ نے عمل یا اس سے استدلال کیا ہو۔ 2۔ امام ترمذی حدیث کے درجے پر بھی کلام کرتے ہیں کہ حدیث صحیح، حسن، ضعیف یا معلول ہے۔ 3۔ امام ترمذی راویوں پر بھی کلام کرتے ہیں اور ان کا مقام و مرتبہ بتاتے ہیں۔

سنن ابی داؤد: نام مؤلف: سلیمان بن اشعث بن اسحاق السجستانی کنیت: ابو داؤد تاریخ و مقام ولادت: 202 ہجری (سجستان (موجودہ سیستان-ایران) وفات: 275 ہجری۔ سنن ابی داؤد میں موجود کُل احادیث: 5274

سنن ابی داؤد کی خصوصیات: 1۔ کتاب السنن کو سنن اور احکام کیساتھ خاص کیا گیا ہے۔ 2۔ صحیح روایات کے ساتھ ساتھ حسن، ضعیف اور منکر روایات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔

اس کتاب کو اللہ تعالی نے بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی اور تمام طبقات فقہاء میں باوجود اختلاف مذاہب کے یہ کتاب یکساں مقبول رہی ہے۔ مصر عراق بلاد مغرب بلکہ مسلمانوں کے ہر علاقہ میں اس کتاب کا درس دیا جاتا ہے۔ حسن بن محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک بار انہیں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا: جو شخص سنن کا علم حاصل کرنا چاہتا ہو وہ سنن ابو داؤد کا علم حاصل کرے۔ [شاہ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ۱۳۲۹ھ بستان المحدثین ا س ۲۱۷] حضور کے اس فرمان سے ظاہر ہوا کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت میں مقبول ہے اور غالباً اس سبب سے اس کتاب کو قبول خاص و عام حاصل ہوا۔ سنن ابو داؤد کی حسن افادیت

جامعیت اور احکام فقہیہ کے ماخذ ہونے کے لحاظ سے اس کو بعد کے علماء اور محققین نے بے حد پسند کیا اور تقریبا ہر دور کے علماء اس کو اپنے تعریفی کلمات سے نوازتے رہے۔

سنن نسائی: نام مؤلف: احمد بن شعیب، کنیت: ابو عبد الرحمان تاریخ و مقامِ ولادت: 214 ہجری (نساء) موجودہ ترکمانستان کا علاقہ (اسی نسبت سے نسائی کہلاتے ہیں۔ وفات: 303 ہجری، احادیث: 5774، سنن نسائی کو عربی زبان میں المجتبیٰ من السنن اور السنن الصغری بھی کہا جاتا ہے۔

سنن نسائی کی خصوصیات: 1۔ امام نسائی نے بھی بخاری و مسلم کی طرح صرف صحیح الاسناد روایات کو لیا۔ 2۔ امام نسائی نے اسانید اور متون میں راویوں کے اختلافات کو بیان کیا ہے۔ 3۔ امام نسائی جہاں رُواۃ کے اسماء اور کنیتوں میں غلطی کا احتمال ہو انکی وضاحت کر دیتے ہیں۔ 4۔ امام نسائی نے متصل اور مستند احادیث لانے کی پابندی کی ہے۔ اس سلسلے میں امام مسلم کے طریق کا اتباع کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ: نام مؤلف: محمد بن یزید بن عبد اللہ ابن ماجہ کنیت: ابو عبد اللہ ولادت: 209 ہجری وفات: 273 ہجری

مقامِ ولادت: قُزوِین (عراق) احادیث: 4341نام

سنن ابن ماجہ کی خصوصیات: 1 سنن ابنِ ماجہ، دیگر کتب سنن کی طرح سنن ابن ماجہ کی ترتیب بھی فقہی ہے۔ 2۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن کے مقدمہ میں اتباع اور حجیتِ حدیث جیسے موضوعات پر مدلل روشنی ڈالی ہے۔ 3۔ دیگر سنن کی طرح سنن ابن ماجہ میں بھی صحیح، حسن، اور ضعیف اور دیگر انواع کی احادیث موجود ہیں۔ 4۔ سنن ابنِ ماجہ سے حدیث تلاش کرنا دیگر سنن سے زیادہ آسان ہے جسکی وجہ ظاہر ترین مضمون کے لحاظ سے احادیث کی ترتیب قائم کرنا ہے۔

لیکچر نمبر 11: حدیث وعلوم الحدیث - III

(ماڈیول 1 - 43: مطالعہ متنِ حدیث)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ- (صحیح بخاری، 1907)

امیر المومنین ابو حفص عمر بن الخطاب سے روایت ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی جانب ہے تو اس کی ہجرت اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ ہی کی جانب ہے۔ اور جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہے کہ اسے کمائے یا عورت کے لیے ہے کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت انہی کی جانب ہے۔

قرآنِ مجید اور حسنِ نیت: **وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (بنی اسرائیل: ۱۹)**

ترجمہ: اور جو شخص آخرت کا خواہش مند ہوا اور اس نے اس کے لئے اس کے لائق کوشش کی اور وہ مومن (بھی) ہے تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبولیت پائے گی۔

اہمیتِ نیت: ۱۔ نیت کا عمل میں وہ درجہ ہے جو جسم میں روح کا ہے۔ ۲۔ عادت اور عبادت میں فرق نیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۳۔ اجر و ثواب کا مدار حسنِ نیت پر ہوتا ہے۔ دس گنا، سات سو گنا یا بے حساب۔ ۴۔ اصلاً غلط کام، اچھی نیت سے اچھا نہیں ہو سکتا۔

۵۔ حسنِ نیت سے مباحات مثلاً کھانا پینا، سونا، ٹہلنا، دولت اکٹھی کرنا، تحفہ دینا، عمدہ یا زائد لباس پہننا وغیرہ میں بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔

(ماڈیول 2 - 44: مطالعہ متنِ حدیث)

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ " لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ " (بخاری، رقم:15)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہو گا جب تک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہو جائے۔

- دنیا میں محبت کرنے کی جتنی بھی وجوہ ہیں، وہ علی وجہ الکمال صرف حضور ﷺ کی ذات میں ہی پائی جاتی ہیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران، 3: 31)

ترجمہ: "(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا"۔

اتباعِ رسول ﷺ، محبتِ رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔

محبتِ رسول ﷺ کے عملی تقاضے: حضرت عبد الرحمن بن ابی قرادؓ فرماتے ہیں: ایک دن نبی کریم ﷺ نے وضو کیا۔ آپؐ کے کچھ اصحاب آپؐ کے وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے تو آپؐ نے پوچھا: تمھارے اس کام کا محرک کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور رسولؐ کی محبت۔ آپؐ نے فرمایا: جن لوگوں کو اس بات کی خوشی ہو کہ وہ اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ جب بات کریں تو سچ بولیں، جب ان کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس کو (بہ حفاظت) مالک کے حوالے کریں، اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

(ماڈیول 3 – 45: مطالعہ متنِ حدیث)

عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُوْلَ االلهِ ﷺ قَالَ: تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ االلهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ.(رواہ مالک، والحاکم)

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہاہوں، جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے، ہر گز گمراہ نہیں ہو گے، اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے نبی اکرم (ﷺ) کی سنت۔"

- قرآن کریم کو سورۃ آل عمران میں حبل اللہ کہا گیا، اسی طرح قرآن کریم ہی میں مَن یُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللہ کہا گیا، اس لحاظ سے ان مصادر کو تھامنے والا کبھی گمراہ نہیں ہو گا۔
- اسلام کے پہلے مصدر قرآن کریم میں زندگی میں پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے، اس میں زندگی میں پیش آنے والے سارے احکام اختصار کے ساتھ بیان کر دیئے گیے ہیں، قرآن میں خود کہا گیا ہے: **مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (سورة الأنعام 38)** "ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی "لیکن قرآن میں زیادہ تر موضوعات پر جو رہنمائی ملتی ہے وہ مختصر ہے. ان سب کی تفصیلی وضاحت کی ذمہ داری اللہ نے نبی اکرم ﷺ پر ڈالی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (سورة النحل 44)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں۔

- پھر آپ نے لوگوں کے سامنے قرآن کی جو تشریح کی وہ بھی اللہ کی طرف سے ہی تھی، اپنی طرف سے آپ نے اس میں کچھ نہیں ملایا، اسی لئے اللہ نے فرمایا:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورة النجم 3، 4) اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے

اس کی تائید سنن ابوداود کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے مقدام بن معدیکربؓ نے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ (سنن أبي داوٗد ، 4604) "مجھے کتاب دی گئی ہے اور اسی کی طرح اس کے ساتھ ایک اور چیز (حدیث) دی گئی ہے"

واضح یہ ہوا کہ سنت یا حدیث بھی قرآن کی طرح ہے اور قرآن کے جیسے یہ بھی وحی ہے لیکن قرآن کا لفظ اور معنی دونوں اللہ کی جانب سے ہے جب کہ حدیث کا مفہوم اللہ کی جانب سے ہے اور اس کا لفظ محمد ﷺ کی جانب سے اور دونوں کو یکساں طور پر پہنچانے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

حدیث نمبر 4: **قَالَتْ عَائِشَةُ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَأَدْخَلَهُ ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَهُ ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَأَدْخَلَهَا ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَأَدْخَلَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (صحيح مسلم 6261)**

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ صبح کو نکلے اور آپ ﷺ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جس پر کجاووں کی صورتیں یا ہانڈیوں کی صورتیں بنی ہوئی تھیں کالے بالوں کی، اتنے میں سیدنا حسنؓ آئے، آپ ﷺ نے ان کو اس چادر کے اندر کر لیا، پھر سیدنا حسینؓ آئے ان کو بھی اندر کر لیا، پھر سیدہ فاطمہ زہراؓ آئیں ان کو بھی اندر کر لیا، پھر سیدنا علیؓ آئے ان کو بھی اندر کر لیا بعد اس کے فرمایا: " **إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الأحزاب: 33)** یعنی "اللہ تعالیٰ جل جلالہ چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے ناپاکی کو اور پاک کرے تم کو اے گھر والو!۔"

(ماڈیول4 – 46: مطالعہ متنِ حدیث)

عَنْ معاوِیَۃَیَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يُرِدْ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 71)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالی بھلائی کا ارادہ کرے، اسے دین کی سمجھ عنایت فرمادیتا ہے۔

۱۔ جس کی دلچسپی ورجحان، علمِ دین کیطرف دیکھو تو جان لو کہ اللہ نے اسکے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ دُنیا اسے بھی دیتا ہے، جو اسے محبوب ہو اور اسے بھی جو محبوب نہیں اور دِین صرف اسی کو دیتا ہے، جو اس کے نزدیک پیارا ہوتا ہے

۳۔ وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (التوبۃ:122)

۴۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَقِيهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ (جامع ترمذی:2681)

۵۔ تعلیماتِ دین پر ہونے والے حملوں کا دفاع فقیہ کرتا ہے۔ ۶۔ فقیہ معارض ادلہ میں تطبیق پیدا کر کے اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(ماڈیول5 – 47: مطالعہ متنِ حدیث)

قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنْ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ الْإِحْسَانِ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنْ السَّائِلِ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنْ السَّائِلُ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ۔ (صحیح مسلم ، 93)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ہمارے روبرو ایک شخص ظاہر ہوا، جس کے کپڑے بے حد سفید اور بال نہایت سیاہ تھے، نہ تو اس پر سفر کے آثار تھے اور نہ ہم میں کوئی اس سے واقف تھا، وہ (شخص) رسول اللہ ﷺ کے روبرو بیٹھ گیا اور اپنے دونوں گھٹنوں کو نبی اکرم ﷺ کے زانوئے مبارک سے جوڑ دیا اور اپنے ہاتھوں کو اپنے دونوں زانوؤں پر رکھ لیا اور عرض کیا: اے محمد (ﷺ) مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کو اچھی طرح پابندی سے ادا کرے، اور زکوۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے اور خانۂ کعبہ کا حج کرے بشرطیکہ وہاں تک پہنچنے پر قادر ہو، اس شخص نے (یہ سن کر) کہا کے آپ نے سچ فرمایا۔ ہم سب کو اس پر حیرت ہوئی کہ آپ سے پوچھتا ہے اور ساتھ ہی تصدیق بھی کر دیتا ہے، اس شخص نے کہا کہ مجھے ایمان سے آگاہ کیجئے، آپ نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر ایمان لائے اور اسکے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر ، اور اس کے رسولوں پر، اور روز قیامت پر، اور یقین رکھے خیر و شر پر کہ وہ قضاء و قدر سے ہیں، اس شخص نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس شخص نے پوچھا مجھے بتائے کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو اللہ تعالی کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر تو اس کو اس طرح نہ دیکھ سکے تو (کم از کم

یقین رکھ کہ) وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے، پھر اس شخص نے پوچھا مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجئے؟ آپ نے فرمایا: جس سے تم دریافت کر رہے ہو وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، پھر اس نے پوچھا کہ قیامت کی نشانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب لونڈی مالکن کو جنے اور یہ کہ ننگے پیر چلنے والے' ننگے بدن 'تنگدست اور بکریاں چرانے والوں کو تو دیکھے کہ وہ بلند عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے، راوی یعنی عمرؓ فرماتے ہیں: کہ وہ شخص چلا گیا اور میں دیر تک ٹھہرا رہا پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: کہ اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ سائل کون تھا؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ جبرائیل تھے، تمہارے پاس اس غرض سے آئے تھے کہ تم کو تمہارا دین سکھا دیں۔

تشریح: اس حدیث کو حدیث جبرائیل کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیلؑ انسانی شکل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

ارکان اسلام: کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوۃ، حج   ارکانِ ایمان: اللہ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، الہامی کتب پر ایمان، رسولوں پر ایمان، آخرت پر ایمان، تقدیر پر ایمان

احسان: اللہ کی اس طرح عبادت کرنا گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو یہ ایمان رکھنا کہ اللہ تو تجھ کو دیکھ ہی رہا ہے۔

قیامت کی نشانیاں: ا۔ جب لونڈی مالکن کو جنے۔ (اولاد اپنے والدین کو غلام لونڈی کا درجہ دیں)

۲۔ ننگے پیر چلنے والے' ننگے بدن 'تنگدست اور بکریاں چرانے والوں کو تو دیکھے کہ وہ بلند عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

لیکچر نمبر 12: حدیث وعلوم الحدیث- IV

(ماڈیول 1 - 48: مطالعہ متنِ حدیث)

"مُرُوا أولادَكم بالصلاةِ وهم أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، واضْرِبُوهُمْ عليها، وهم أَبْنَاءُ عَشْرٍ، وفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي المَضَاجِعِ. " (سنن ابی داؤد: 494)

''جب تمہارے بچے سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں غفلت پر انہیں مارو اور ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو۔''

تشریح: ا۔ اہمیتِ نماز: شہادتِ توحید کے بعد پہلی چیز اسلام میں نماز کی تعلیم ہے۔

۲۔ ۷ سال کی عمر سے نماز کی تفصیلات اولاد کو سکھانا، والدین پر لازم ہے۔ اس سے پہلے مستحب ہے۔

۳۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ اولاد کو عمر کی تبدیلی کی تقاضوں سے آگاہ کریں۔ آدابِ ستر سے آگاہ کریں۔

۴۔ جب بچہ سمجھ دار ہو جائے تو اُسکی نماز صحیح ہوتی ہے۔ نماز کی عملی تعلیم دینے کیلئے صف میں اپنے ساتھ کھڑا کیا سکتا ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ایک باپ کا اپنی اولاد کو سب سے بہترین تحفہ انھیں احکام و آدابِ دین سکھانا ہے۔ (جامع ترمذی: 1952)

(ماڈیول 2 - 49: مطالعہ متنِ حدیث)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ:" الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، (بخاری: 10)

ترجمہ: ''کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا رسانی) سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

تشریح: ا۔ زبان سے محفوظ ہونے کا مطلب ہے کہ غیبت، چغلی، گالی دینے، لعن طعن کرنے اور فتویٰ بازی کرنے سے اجتناب کرنا

۲۔ ہاتھ سے محفوظ ہونے کا مطلب ہے کسی کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے، چھینا جھپٹی، چوری، ڈاکہ زنی، تشدد وغیرہ سے اجتناب کرنا

۳۔ زبان کا ذکر ہاتھ سے پہلے کیا گیا کیونکہ زیادہ تر انسان زبان سے دوسروں کو تکلیف دیتا ہے۔ نیز زبان سے دی گئی تکلیف ہاتھ سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔

۴۔ ہمارا دین سراپا امن و سلامتی ہے نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانیت کیلئے۔ (اسلام یعنی دین سلامتی، ایمان یعنی امن، نماز کا اختتام سلام پر، ہر ملاقات کے وقت السلام علیکم۔ چاند کو دیکھتے وقت دعا کی جاتی ہے: **اللَّهُمَّ أَهْلِلْهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ (جامع ترمذی، 3451)**

ترجمہ: اے اللہ اس چاند کو ہمارے لیے امن والا، ایمان والا، سلامتی والا اور اسلام والا بنا۔

حدیث نمبر9: **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا،" أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ , أَيُّ يَوْمٍ هَذَا ؟ , قَالُوا: يَوْمٌ حَرَامٌ، قَالَ: فَأَيُّ بَلَدٍ هَذَا ؟ , قَالُوا: بَلَدٌ حَرَامٌ، قَالَ: فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا ؟ قَالُوا: شَهْرٌ حَرَامٌ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، (صحیح بخاری: 1739)**

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں خطبہ دیا، خطبہ میں آپ ﷺ نے پوچھا لوگو! آج کونسا دِن ہے؟ لوگ بولے یہ حرمت کا دن ہے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا، یہ شہر کونسا ہے؟ لوگوں نے کہا، یہ حرمت کا شہر ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ مہینہ کونسا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حرمت کا مہینہ ہے۔

تشریح: ا۔ معلمین کیلئے تربیت۔ لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے سوالات کیے جائیں۔ ۲۔ سوالات کے بعد خاموش ہو جانا، اعلیٰ طریقہ تعلیم۔ ذہن کی تمام توجہ حاصل ہوتی ہے۔ ۳۔ یہ پیغام کہ اللہ کے نزدیک لوگوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کس قدر محترم ہیں۔

حدیث مبارکہ ہے: ”حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا: (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے۔“[1]

حدیث نمبر10: **عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ، قَالَ: " اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ ".(صحیح مسلم: 6576)**

ترجمہ: ”جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”ظلم سے بچو، کیوں کہ ظلم روزِ قیامت تاریکیوں کا باعث ہو گا۔ بخل سے بچو، اس لیے کہ بخل ہی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے اسی بخل نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپس میں خون خرابہ کریں اور محارم (محترم چیزوں) کو حلال کر لیں“۔

تشریح: ا۔ ظلم روزِ قیامت تاریکیوں کا سبب ہے۔ ۲۔ انسان کو بُخل ہی ظلم پر آمادہ کرتا ہے جب وہ چیزوں کو اپنے حق میں چھیننا چاہتا ہے۔

(ماڈیول 3 – 50: مطالعہ متنِ حدیث)

حدیث نمبر11: **قال أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ "مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَغَيَّرَهُ بِيَدِهِ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ فَغَيَّرَهُ بِلِسَانِهِ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِلِسَانِهِ فَغَيَّرَهُ بِقَلْبِهِ فَقَدْ بَرِئَ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ" (سنن نسائی:5012)**

ترجمہ: ”ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی جب بُری بات دیکھے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ کے ذریعے دُور کر دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنے دِل سے اسے دور کرے اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔“

تشریح: ا۔ دینِ اسلام اجتماعی مزاج کا دین ہے اس لیے نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا۔ ۲۔ اگر بُرائی سے روکا نہ جائے تو پُورا معاشرہ بُرائی سے بھر جاتا ہے۔ ۳۔ نہی عن المنکر (بُرائی سے منع کرنے) کے تین درجے ہیں۔ ہاتھ سے، زبان سے، دِل سے۔ ۴۔ ہاتھ سے روکنا اس کی ذمہ داری ہے جو قوتِ نافذہ رکھتا ہے۔ زبان سے روکنا اس کی ذمہ داری ہے جو دعوتِ دین اور نصیحت کا طریقہ جانتا ہو۔ 5۔ اور دل سے برا جاننا یہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (المائدۃ: 63)** ” انہیں (روحانی) پیشوا اور (دینی) علماء نے بُری باتیں کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہ روکا۔ بے شک وہ بہت ہی برے کام کرتے تھے“

امتِ مسلمہ کے عزت و وقار کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا گیا: **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ(آل عمران: 110)** (اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

---

[1] ابن ماجہ 3932 :

حدیث نمبر:12يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ، فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ، فَيَقُولُونَ: أَيْ فُلَانُ مَا شَأْنُكَ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ، قَالَ: كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَا آتِيهِ وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَآتِيهِ (بخاری: 3267) ترجمہ:" قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا پھر وہ جہنم میں ڈالا جائے گا اس کے پیٹ کی آنتیں باہر نکل آئیں گی۔ وہ ان کو لیے ہوئے گدھے کی طرح جو چکی پیتا ہے چکر لگائے گا اور جہنم والے اس کے پاس اکٹھا ہوں گے اس سے پوچھیں گے، اے فلاں! کیا تو اچھی بات کا حکم نہیں کرتا تھا اور بری بات سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا میں ایسا کرتا تھا لیکن دوسروں کو اچھی بات کا حکم کرتا اور خود نہ کرتا اور دوسروں کی بری بات سے منع کرتا اور خود اس سے باز نہ رہتا۔"

- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک ذمہ داری جو خود عمل کرنے کی بھی رغبت اور احساس دلاتی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے مراتب:

۱۔ نیکی کا حکم دے اور نیکی کرے بھی، برائی سے روکے اور خود رکے بھی۔ ۲۔ نیکی کرتا ہے مگر نیکی کا حکم نہیں دیتا۔ برائی خود نہیں کرتا لیکن کرنے والوں کو منع نہیں کرتا۔ ۳۔ نیکی کا حکم دیتا ہے مگر خود نہیں کرتا۔ برائی سے منع کرتا ہے لیکن خود نہیں رکتا۔ ۴۔ نہ نیکی خود کرتا نہ نیکی کرنے کا کہتا ہے۔ خود برائی کرتا ہے اور لوگوں کو برائی سے منع نہیں کرتا۔ ۵۔ خود تو نیکی کرتا نہیں الٹا دوسروں کو بھی نیکی سے روکتا ہے۔ خود بھی برے کام کرتا ہے اور لوگوں کو بھی برے کام کرنے کا کہتا ہے۔

(ماڈیول4 - 51: مطالعہ متنِ حدیث)

حدیث نمبر:13 عن ابن مسعود عنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ (جامع ترمذی: 2416)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "آدمی کا پاؤں قیامت کے دن اس کے رب کے پاس سے نہیں ہٹے گا یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے پوچھ لیا جائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں صرف کیا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا، اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا اور اس کے علم کے سلسلے میں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا"

تشریح: ۱۔ حدیثِ پاک میں بیان کیے گئے سوالات، اس زندگی پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ زندگی کھیل تماشا نہیں بلکہ ایک امتحان گاہ ہے۔ ۲۔ انسانی زندگی کا مقصد۔ وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (الزاریات: 56) (میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا) ۳۔ پوری زندگی اور بالخصوص جوانی کیسے گزاری؟ غفلت، نافرمانی اور خواہشات کی تسکین میں یا اللہ کی عبادت اور قرآن و سنت کے مطابق گزاری۔ ۴۔ مال کہاں سے کمایا، کہاں خرچ کیا؟ ذرائع آمدن کیا ہیں؟ خرچ کی نوعیت۔ اعتدال یا فضول خرچی؟ ۵۔ جو علم تھا اس پر کس حد تک عمل کیا۔

حدیث نمبر:14 مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (مسند احمد: 4269) ترجمہ: "جس نے میانہ روی اختیار کی وہ تنگدست نہیں ہو گا۔"

(ماڈیول5 - 52: مطالعہ متنِ حدیث)

حدیث نمبر15: عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ (جامع ترمذی: رقم 2133) ترجمہ: "حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک کوئی چیز جو قیامت کے دن مومن کے ترازو میں رکھی گئی ہے حسنِ اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ بے حیاء اور بدگو کو ناپسند کرتا ہے۔"

تشریح: ۱۔ روزِ آخرت اعمال کا وزن کیا جانا حق ہے۔ ۲۔ اعمال نامے میں کلمہ شہادت کے بعد نیکیوں کے حوالے سے سب سے زیادہ وزن حسنِ اخلاق کا ہو گا۔ ۳۔ حسنِ اخلاق میں بہت سے محاسن کے ساتھ ساتھ مسکراہٹ، عمدہ بات اور نرم گوئی شامل ہے۔ ۴۔ بد اخلاقی میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیزوں میں سے دو فحاشی اور بد گوئی (بدزبانی) ہیں۔

حدیث مبارکہ ہے: "میزان میں رکھی جانے والی چیزوں میں سے اخلاق حسنہ (اچھے اخلاق) سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہیں ہے، اور اخلاق حسنہ کا حامل اس کی بدولت روزہ دار اور نمازی کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔" (جامع ترمذی:2003)

لیکچر نمبر 13: حدیث وعلوم الحدیث- V

(ماڈیول 1 - 53: مطالعہ متنِ حدیث)

" حدیث نمبر:18 عن عبداللہ قالَ قَالَ رَسُولُ اللہ ﷺ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (شعب الایمان-بیہقی)

ترجمہ:"حضرت عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(شرعی) فرائض کے بعد حلال روزی کمانا فرض ہے۔"

تشریح: 1۔ دین کے بنیادی فرائض (نماز، روزہ، دیگر عبادات) کے بعد دنیاوی اعتبار سے رزقِ حلال کی تلاش بنیادی فرض ہے۔ 2۔ حرام ذرائع رزق اور لوگوں کا مال حرام طریقے سے کھانے کی ممانعت کی گئی۔ 3۔ حرام کھانے والے کی دعائیں اور عبادات قبول نہیں ہوتیں۔

"آپ ﷺ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو دور دراز سے سفر کر کے (کسی متبرک جگہ) آیا اس طرح کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، اور سر سے پاؤں تک غبار آلودہ تھا، اور وہ خوب گڑگڑا کر دعا کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ اے میرے رب!اے میرے رب! لیکن اسکا کھانا پینا حرام مال سے ہے، اسکا لباس حرام ہے، اور اسکی پرورش حرام سے ہوئی ہے تو اس حالت میں اسکی یہ دعا کیونکر قبول ہوگی؟" (صحیح مسلم:1686)

حدیث مبارکہ ہے:"جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پلا ہو، اس کیلئے تو دوزخ ہی مناسب ہے۔"(جامع ترمذی:614)

حدیث نمبر:19 عنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا وَإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا، فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، خُذُوا مَا حَلَّ، وَدَعُوا مَا حَرُمَ» (ابنِ ماجہ، 2144)

ترجمہ:"حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے (اعتدال کے ساتھ) روزی طلب کرو کیونکہ کوئی انسان اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرے گا اگرچہ اس (رزق کے حصول) میں دیر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے روزی طلب کرو۔ جو حلال ہے، وہ لے لو اور جو حرام ہے، وہ چھوڑ دو۔"

تشریح: ۱۔ رزقِ حلال کی طلب لازم ہے مگر یہ یقین واعتقاد کہ رزق اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، تقدیر پر ایمان کا حصہ ہے۔

۲۔ یہ حدیث رزق کے حصول کے لیے زمین پر تگ و دو سے نہیں روکتی بلکہ کوشش کرنے میں نظم واعتدال کا حکم دیتی ہے۔

۳۔ کثرتِ دولت مضر نہیں لیکن دولت کی حرص میں حدودِ شریعت کو توڑنا تباہی کا باعث ہے۔

(ماڈیول 2 - 54: مطالعہ متنِ حدیث)

حدیث نمبر:21 عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ" (جامع ترمذی:1209)

ترجمہ:"حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچا اور ایماندار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔"

تشریح: ۱۔ معیشت انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور سب سے بہترین اور اعلیٰ ذریعہ معاش تجارت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی تجارت کو بطور پیشہ اختیار فرمایا۔

۳۔ حدیث میں بیان کردہ دو خوبیاں تجارت کی جان ہیں۔ صداقت اور امانت۔

۴۔ سودا طے کرتے ہوئے سچ بولا جائے اور مال کی بے جا تعریف نہ کی جائے۔ اور جب مال حوالے کیا جائے تو امانت داری سے کیا جائے (ملاوٹ یا مال بدلا نہ جائے)

۵۔ اسلامی نظامِ تجارت میں دھوکے سے خراب مال بیچنا، جھوٹی بولی دینا، تجارتی مال پر اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی، سودی کاروبار وغیرہ ممنوع ہیں۔

۶۔ دنیا کا جو مروجہ سسٹم ہے اس میں جائز اور ناجائز کی بنیاد مارکیٹ کی طلب پر ہے کہ جو چیز مارکیٹ کی ضرورت بن جائے وہ جائز ہو جاتی ہے لیکن اسلام میں جائز و ناجائز اور حرام و حلال کا فیصلہ دینی اور شرعی احکام کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

۷۔ اسلام تجارت کے انہی اصولوں کو جائز قرار دیتا ہے جو انسانی اخلاقیات، انسان کی حقیقی ضروریات اور انسانی معاشرے کے دنیوی اور اخروی نفع کے لیے بہتر ہیں۔

(ماڈیول 3 - 55: مطالعہ متنِ حدیث)

حدیث نمبر:25 **أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: " حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلاَمِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ العَاطِسِ (صحیح بخاری:1240)**

ترجمہ: ''ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا، مریض کا مزاج معلوم کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک پر (اس کے الحمد للہ کے جواب میں) یرحمک اللہ کہنا۔''

تشریح: ۱۔ حق اگر کوئی ادا نہ کرے تو دوسرا اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ ۲۔ سلام کی ابتداء کرنا سنت ہے لیکن سلام کا جواب دینا مسلمان بھائی کا حق ہے۔

۳۔ بیمار کی عیادت کرنا اس کا حق ہے۔ حدیث مبارکہ ہے: ''بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پُرسی نہیں کی۔ وہ کہے گا: اے میرے رب میں کیسے آپ کی بیمار پرسی کرتا آپ تو رب العالمین ہیں؟! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تُو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی! کیا تو یہ نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا''

۴۔ جنازہ پڑھنا مسلمان بھائی کا حق ہے اور تدفین میں شرکت کرنا اضافی ثواب کا باعث ہے۔

۵۔ کوئی دعوت دے تو اسے قبول کرنا اس کا حق ہے۔ (شادیاں اور دعوتِ ولیمہ بھی اس میں شامل ہیں)

۶۔ چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا سنت ہے۔ جب کوئی الحمد للہ کہے تو اس کا حق ہے کہ دوسرے سننے والے یرحمک اللہ کہیں۔ پھر اس کے جواب میں چھینکنے والے کو یھدیکم اللہ کہنا چاہیے۔ ۷۔ یہ آداب مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں پختگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔

(ماڈیول 4 - 56: مطالعہ متنِ حدیث)

حدیث نمبر:28 **عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ يُدْعَى ابْنَ الْلُّتَبِيَّةِ، فَلَمَّا جَاءَ حَاسَبَهُ، قَالَ: هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا (بخاری: 6979)** ترجمہ: ''ابو حمید الساعدیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات کی وصولی کے لیے عامل بنایا ان کا نام ابن اللتیبہ تھا پھر جب یہ عامل واپس آیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کا حساب لیا' اس نے سرکاری مال علیحدہ کیا اور کچھ مال کی نسبت کہنے لگا کہ یہ (مجھے) تحفہ میں ملا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا کہ پھر کیوں نہ تم اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہے اگر تم سچے ہو تو وہیں یہ تحفہ تمہارے پاس آ جاتا۔''

تشریح: ۱۔ کرپشن اور رشوت ستانی کے اس دور میں یہ حدیث پاک ہماری واضح راہنمائی کرتی ہے۔

۲۔ جو تحائف منصب کی وجہ سے ملیں وہ رشوت کا ہی دوسرا نام ہے۔

حدیث نمبر:29 **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.(صحیح بخاری: 33)**

ترجمہ: ”ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، منافق کی علامتیں تین ہیں۔ جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔“

تشریح: ۱۔ ایک منافق عقیدے کے اعتبار سے ہوتا ہے جو زبان سے کلمہ پڑھتا ہے لیکن دِل میں کفر ہوتا ہے۔

۲۔ ایک منافق عملی ہوتا ہے۔ اس حدیث میں عملی منافق کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔

حدیث نمبر:30 **عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَّا قَالَ: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ» (شعب الايمان للبيهقي: 4352)** ترجمہ: ”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا: جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان ہی نہیں، اور جس شخص کا عہد نہیں اس کا کوئی دین ہی نہیں۔“

تشریح: ۱۔ امانت داری اور ایمان کو آپس میں جوڑا گیا۔ خیانت ایمان کا نقص ہے۔ ۲۔ جو وعدے کا پابند نہیں ہے وہ دین کے اعلیٰ معیار پر کبھی فائز نہیں ہو سکتا۔

۳۔ دین اور ایمان کی روح امانت و دیانت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا لقب مبارک بعثت سے پہلے صادق اور امین تھا۔

لیکچر نمبر14: فقہ اسلامی کا تعارف- I

(ماڈیول 1 - 57: علم فقہ کا تعارف)

فقہ کا لغوی مفہوم: علامہ زمخشری نے فائق میں لکھا ہے "اَلفِقہُ حَقِیقَتُہٗ اَلشَّقُّ وَالفَتحُ" یعنی فقہ کی حقیقت تحقیق و تفتیش کرنا اور کھولنا ہے۔

قرآن مجید میں فقہ کا لفظ "فہم اور سمجھ بوجھ" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل: 44)

ساتوں آسمان اور زمین اور وہ سارے موجودات جو ان میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور (جملہ کائنات میں) کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح (کی کیفیت) کو سمجھ نہیں سکتے، بیشک وہ بڑا بُردبار بڑا بخشنے والا ہے۔

لغت میں لفظ فقہ کو کسی چیز کے جاننے اور سمجھنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا، بعد میں اس کا استعمال خاص علم دین کے فہم میں ہونے لگا

فقہ کا اصطلاحی مفہوم: ا۔ اَلفِقهُ مَعرِفَةُ النَفسِ مَا لَهَا وَ مَا عَلَيهَا فقہ ان چیزوں کی معرفت کا نام ہے جو انسان کے لیئے فائدہ مند ہوں یا نقصان کا باعث بنیں۔

۲۔ اَلفِقہَ ھُوَ العِلمُ بِالاَحکَامِ الشَّرعِیَّۃِ العَمَلِیَّۃِ مِن اَدِلَّتِھَا التَّفصِیلِیَّۃِ علم فقہ، احکام شرعیہ عملیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو تفصیلی دلائل سے حاصل ہو۔

احکام شرعیہ کی دو اقسام: ا۔ احکام اصلیہ۔ ۲۔ احکام فرعیہ عملیہ۔

احکام اصلی وہ ہیں جنکا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے اور احکام فرعیہ وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے۔ احکام کے تفصیلی دلائل چار ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس

اصولِ فقہ کی تعریف: اصول فقہ سے مراد وہ اصول و قواعد اور ضوابط ہیں جن سے کام لے کر ایک فقیہ قرآن مجید اور سنت رسول اور شریعت کے دوسرے مآخذ سے فقہی احکام معلوم کرتا ہے اور روزمرہ پیش آنے والے عملی مسائل کے لیے تفصیلی ہدایات مرتب کرتا ہے۔

فقہ اور اصولِ فقہ میں فرق: مسائلِ شرعیہ کو جاننا فقہ جبکہ ادلّہ شرعیہ سے اُن کے استنباط کے قوانین کو جاننا، اصولِ فقہ کہلاتا ہے۔

(ماڈیول 2 - 58: علم فقہ کی اہمیت اور ارتقا)

انسان معاشرت پسند ہے۔ انسان اپنی زندگی کی تمام ضروریات تنہا خود پوری نہیں کر سکتا۔ بسا اوقات مفادات کے ٹکراؤ کی وجہ سے اختلافات اور تنازعات رونما ہو جاتے ہیں۔ ان اختلافات و تنازعات کو دُور اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لیئے قوانین کی ضرورت پیش آتی ہے دنیا کی تمام تہذیبیں اور تمام مذاہب ان قوانین کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسلام در حقیقت انسانی زندگی کے لیئے مکمل ضابطۂ حیات ہے تو اسلام ان قوانین کو کیونکر نظر انداز کر سکتا تھا، چنانچہ اسلام نے ان قوانین کو ان کا صحیح مقام دیا اور ان قوانین کو "فقہ" کا نام دیا۔

فقہ کی تدوین (دورِ رسالت مآب ﷺ): رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہ سے متعلق جملہ اُمور آپ ﷺ کی ذات مبارک سے وابستہ تھے۔ قانون سازی، فتاوی، فیصلے وغیرہ کے فرائض آپ خود بنفسِ نفیس انجام دیا کرتے تھے۔ فقہ کی نہ باقاعدہ ترتیب و تدوین ہوئی تھی اور ضروریات زندگی محدود ہونے کی بنا پر نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے، صحابہ آپ

ﷺ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ کرام فرض واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔

فقہ کی تدوین (دورِ صحابہ کرامؓ): آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہو تا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔

اجماع اور رائے کا اضافہ: دورِ صحابہ میں اجماع کو منظم شکل دی گئی۔ صاحب صلاحیت لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ حتی الامکان ایسے لوگوں کو باہر جانے سے بھی روک دیا گیا۔ جو بات قرآن و سنت میں موجود نہ ہوتی، باہمی مشورے سے طئے پاتی اور وہ قانون کا درجہ حاصل کر لیتی۔ ان صحابہ میں سیدنا ابو بکر، عمر، عثمان، علی، عائشہ، عبد الرحمٰن بن عوف، عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو موسی اشعریؓ کے فتاوی مشہور ہیں۔

صحابہ کرام کی دیگر شہروں میں منتقلی اور مدارس: عہد صحابہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسعت پذیر ہوا ایسے وقت میں ضرورت کے پیش نظر حدود اسلامی میں مختلف فقہی مدارس و مراکز قائم ہوئے، جن میں سے اہم قابل ذخر درج ذیل سات فقہی مراکز تھے:

مدینہ منورہ۔ مکہ معظمہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ شام۔ مصر۔ یمن

ان فقہی مدارس و مراکز سے فیضیاب ہونے والے حضرات تابعین تھے، تابعین فقہ و قانون سازی کے لیئے رہنمائی احادیث مبارکہ، رسول اللہ ﷺ کے افعال و تقریرات کے بارے میں مروی آثار سے لیتے تھے اس کے علاوہ صحابہ کرام کی اجتہادی و فقہی آراء سے بھی بھرپور استفادہ کرتے تھے۔

فقہ کی تدوین (دورِ تابعین): صحابہ کرامؓ کی وفات کے تابعین نے درس و تدریس کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ مکہ میں عطاء بن ابی رباح، یمن میں طاؤس، یمامہ میں یحیٰی بن ابی کثیر، کوفہ میں ابراہیم نخعی، بصرہ میں حسن بصری، شام میں امام مکحول، خراسان میں عطاء خراسانی اور مدینہ منورہ میں سعید بن مُسیب۔

انہی حضرات کی علمی کاوشوں سے فقہی مکاتب فکر وجود میں آئے اور اجتہاد و استنباط کے ذریعہ تدوین فقہ اسلامی ممکن ہوئی۔

بنو امیہ کے دور میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے صرف احادیث کی تدوین کی حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ مختلف مسائل کے حل کیلیئے ایک مجلس کی بنیاد رکھی گئی، جس کے رُکن "فقہائے سبعہ" تھے، اسی دور میں حدیث و فقہ کی پہلی کتاب "موطا امام مالک" کی تالیف ہوئی۔

مدینہ منورہ کے معروف تابعی فقہائے سبعہ درج ذیل ہیں:

1. عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود
2. عروہ بن زُبیر بن العوام
3. قاسم بن محمد بن ابی بکر
4. سعید بن المسیّب
5. سلمان ابن یسار
6. خارجہ ابن زید
7. ابو بکر عبد الرحمان بن حارث بن ہشام۔ * بعض نے ان کی جگہ سالم بن عبد اللہ بن عمر کا نام ذکر کیا ہے

(ماڈیول 3 - 59 : تدوین فقہ اور مذاہب اربعہ)

دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے چوتھی صدی ہجری کے نصف تک ایسا دور تھا، جس میں فقہ باقاعدہ ایک علم بن چکا تھا، اسی دور میں ماہر فقہاء پیدا ہوئے جنہیں امت نے متفقہ طور پر امام تسلیم کرلیا۔ ان میں سے چار فقہاء سب سے زیادہ معروف ہیں جن کے مذاہب آج بھی رائج ہیں۔ آئمہ اربعہ کا تعارف درج ذیل ہے:

امام اعظم ابو حنیفہ: آپ کا نام "نعمان بن ثابت" ہے اور کنیت "ابو حنیفہ" ہے، آپ فارسی النسل تھے آپ کی پیدائش 80 ہجری میں ہوئی، اور وفات 150 ہجری میں ہوئی۔ آپ کے مجتہد مطلق ہونے پر امت کا اجماع ہے آپ کی وفات 10 رجب 150 ہجری کو ہوئی۔ ائمہ اربعہ میں سے واحد امام ابو حنیفہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپکی صحابی رسول حضرت انسؓ اور حضرت ابو طفیلؓ عامر بن واثلہ سے ملاقات و تلمذ ہے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت حماد، امام شعبی، عدی بن ثابت، موسی بن عائشہ، عاصم بن سلیمان، عطا بن ابی رباح، حضرت باقر، اور حضرت جعفر، بہت مشہور ہیں۔

امام مالکؒ: آپ کا نام "مالک بن انس" ہے آپ کے پر دادا صحابی رسول تھے امام مالک 93 ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ علمائے مدینہ سے علم حاصل کیا آپ نے 17 برس کی عمر سے درس حدیث دینا شروع فرمادیا تھا۔ آپ کی مایہ ناز کتاب "مؤطا" کو آپ کے زمانے میں ہی حد درجہ شہرت مل چکی تھی۔ آپ کی وفات 179 ہجری، مدینہ میں ہوئی اور بقیع کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔

امام شافعیؒ: آپ کا اسم گرامی "محمد" اور کنیت "ابو عبد اللہ" ہے آپ شافعی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ مقام غزہ میں 150 ہجری میں پیدا ہوئے، والد بچپن ہی میں فوت ہوگئے، دو سال کی عمر میں والدہ آپ کو مکہ لے آئیں آپ وہیں پلے بڑھے، تیرہ سال کی عمر میں آپ امام مالکؒ کے پاس آکر مقیم ہوگئے، امام مالکؒ سے خوب استفادہ کیا۔ 199 ہجری میں مصر تشریف لے گئے اور تادمِ مرگ وہیں رہے، آپ نے بذات خود اپنے مسلک کو پروان چڑھایا، اپنی کتابیں آپ نے خود لکھیں یا اپنے تلامذہ سے لکھوائیں۔ 204 ہجری مصر میں آپ کی وفات ہوئی۔

امام احمد بن حنبلؒ: آپ کا نام "احمد" اور کنیت "ابو عبد اللہ" ہے، آپ "امام الائمہ" کے لقب سے ملقب تھے۔ 164 ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ جب امام شافعیؒ بغداد تشریف لائے تو آپ ان سے وابستہ ہوگئے۔ آپ بلند پایا محدث اور فقہ کے بے مثال صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ کے اساتذہ میں یحیٰ بن قطان ، سفیان بن عیینہ، امام شافعیؒ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ جبکہ آپ کے تلامذہ میں امام بخاری، امام مسلم، عبد الرزاق اور وکیع قابل ذکر ہیں۔ 241 ہجری بغداد میں جمعہ کے روز آپ کی وفات ہوئی، آپ کی مشہور تصنیف "مسند احمد" محدثین کے نزدیک آپ کا عظیم الشان کارنامہ شمار ہوتا ہے۔

(ماڈیول 4 - 60: فقہ اسلامی کا پہلا ماخذ: قرآن مجید)

فقہِ اسلامی کے مآخذ: لغوی معنی کے اعتبار سے ماخذ سے مراد "وہ جگہ جہاں سے کوئی چیز اخذ کی جائے یعنی اخذ کرنے کی جگہ یا منبع، یعنی اصل بنیاد، سرچشمہ یا مخرج اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ درج ذیل ہیں: قرآن۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس۔

ماخذ اور حدیث معاذ بن جبلؓ: سیدنا معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ: **أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: «كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟»، قَالَ: أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ، قَالَ: «فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟»، قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: «فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَلَا فِي كِتَابِ اللَّهِ؟» قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي، وَلَا آلُو فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَدْرَهُ، وَقَالَ: «الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ، رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللَّهِ۔[جامع ترمذی : 1238 ،سنن ابی داؤد 3592)**

قرآن بطورِ ماخذ قانون اسلامی: اسلامی قانون کا پہلا ماخذ، دلیل اور اساس قرآن مجید ہے جو کہ اللہ کا کلام ہے۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، اور اس وقت سے لیکر اب تک مصاحف میں محفوظ ہو کر ہمارے پاس موجود ہے، یہی پہلا بنیادی منبعِ قانون اور سب انسانوں کے لئے دستور العمل ہے۔ قرآن مجید کا ماخذِ قانون ہونا اور قابل حجت ہونا واضح ہے، جیسا کہ فرامینِ الٰہی ہیں:

ا۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ) ص 29:38)

۲۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔(النساء 105:4)

قرآن مجید کے بنیادی مضامین: شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں علوم خمسہ کے نام سے قرآن مجید کے مضامین کی تقسیم کچھ اس طرح سے کی ہے۔

تذکیر بآلاء اللہ (اللہ کی قدرت کی نشانیاں) تذکیر بایام اللہ (تاریخی قصص کے مضامین)

تذکیر بالآخرۃ (قیامت وآخرت، جنت و جہنم کے مضامین) مخاصمات (مخالفین اسلام کو قائل کرنے کے دلائل) احکام (اوامر و نواہی)

احکام (اوامر ونواہی) کی تفصیل کچھ اسطرح سے ہے: عبادات (نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد) معاشرت (عائلی زندگی، نکاح، طلاق، وراثت)

معاملات (تجارت، اقرار نامے، گواہی اور دیگر لین دین کے معاملات) سیاست (شہریت، تمدن، عدل، حدود و تعزیرات)

(ماڈیول 5 - 61: فقہ اسلامی کا دوسرا اور تیسرا ماخذ: سنتِ رسول ﷺ اور اجماع)

سنت بطورِ ماخذ قانونِ اسلامی: قرآن مجید کی عملی تفسیر حضور ﷺ کے پیش فرمائی۔ قرآن مجید میں دیئے گئے احکامات پر حضور ﷺ نے عمل کر کے دیکھایا، اجمالی احکام کی تشریح بھی فرمائی اور عملاً ترتیب بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف شارح (تشریح کرنیوالا) کی حیثیت سے بھیجا بلکہ شارع (شریعت دینے والا) کے مقام و منصب سے بھی نوازا۔ اس لیئے آپ ﷺ کے دیئے ہوئے احکام بھی امت کے لیئے حجت اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے

اجماع کا مفہوم: اجماع کے معنی ہیں "عزم، پختہ ارادہ کرنا اور اتفاق کرنا" اسلامی قانون کے ماخذ میں اجماع تیسرے درجے پر ہے، رسول اللہ ﷺ کی امت کے اہل حل وعقد کے کسی معاملہ میں اتفاق ہو جانا کو اجماع کہتے ہیں۔ یہ اجماع حالات وواقعات کے مطابق امت کی فلاح و بہبود سے متعلق جملہ اُمور میں ہو سکتا ہے۔

اجماع کی تعریف: اصطلاحی طور پر اس کا معنی ہے: کسی زمانے میں اُمت محمدیہ کے مجتہدین کی رائے کا کسی شرعی مسئلے پر متفق ہو جانا۔

اجماع کی حیثیت: اگر ایک دور کے مجتہدین کسی مسئلے پر اجماع کر چکے ہیں تو بعد کے زمانے کے لوگ اس بات پر پہلے اجماع کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتے، پہلے صدی (قرونِ اُولیٰ) کے مجتہدین کے اجماع کو دوسرے قرون (زمانے) کے اجماع پر فوقیت حاصل ہے۔

اجماع کا آغاز: عہد رسالت ﷺ میں جو نیا مسئلہ پیش آتا، تو صحابہ کرامؓ براہِ راست حضور ﷺ سے پیش آمدہ مسئلے کا حل دریافت کرتے تھے، اُس دور میں شرعی احکام کے سلسلے میں کسی تیسری دلیل کی ضرورت نہیں تھی، چونکہ حضور ﷺ بذات خود رہنمائی فرماتے، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد امت مسلمہ کو نت نئے مسائل وحالات کا سامنا کرنا پڑا تو پھر اجماع و قیاس کے اصول بنائے گئے۔

اجماع کی اقسام: اجماع کی دو اقسام ہیں: ا۔ اجماع قولی ۲۔ اجماع سکوتی

اجماع قولی: ایک زمانے کے فقہاء مجتہدین کسی مسئلہ پر اس طرح متفق ہوں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے قول کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار کر دیں، یہ اجماع قولی کہلاتا ہے، یہ قسم فقہاء کے نزدیک ایک تسلیم شدہ حجت ہے۔

اجماع سکوتی: کسی معاملے سے متعلق ایک زمانے کے کسی ایک مجتہد نے ایک حکم کا فتویٰ دیا اور اس فتوے کا علم دیگر فقہاء و مجتہدین کو ہو گیا مگر ان میں سے کسی نے نہ مخالفت کی نہ تائید میں کچھ بولا، بلکہ سکوت اختیار کیا، یہ اجماع سکوتی کہلاتا ہے، احناف کے نزدیک اجماع سکوتی بھی حجت تسلیم کیا گیا ہے۔

عہدِ صحابہ میں اجماع کی مثالیں: ۱۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کو اسی طرح سمجھا جائے گا، جیسے کوئی شخص نماز کا منکر ہو اور جو نماز کا منکر ہے وہ دائرہ اسلا م سے خارج ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے منکر کو بھی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا منکرینِ زکاۃ کے خلاف جہاد کرنا۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام اور عراق کی مفتوحہ زمینوں کو فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے وقف قرار دیا اور اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

۳۔ حضرت عمرؓ نے 20 رکعت تراویح کے حوالے سے کبار صحابہؓ کے اجماع اور مشاورت سے اس کا حکم جاری فرمایا۔ یہ بھی صحابہ کرامؓ کے اجماع کی ایک واضح مثال ہے۔

(ماڈیول6 - 62: فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ: قیاس)

قیاس: قیاس کے لغوی معنی اندازہ کرنا، پیمائش کرنا، مطابق اور مساوی کرنا ہیں، چنانچہ "قَاسَ الثَّوْبَ بِالذِّرَاعِ" کے معنی (کپڑے کی ذراع سے پیمائش کی) ڈاکٹر محمود احمد غازی نے قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "شریعت اور فقہاء کی اصطلاح میں اصل حکم میں پائے جانے والی علت کو دوسرے نئے حکم پر منطبق کرنا (قیاس کہلاتا ہے)۔

قیاس، فقہ اسلامی کا خصوصی امتیاز۔ زمانہ چونکہ تغیر پذیر ہے اور ہر آنے والا دن نئے مسائل اور نئے چیلنجز کے ساتھ رونما ہو رہا ہے تو اس صورت میں فقہ اسلامی کا دیگر تمام مذاہب میں یہ خصوصی امتیاز ہے کہ وہ ان جدید مسائل کے حوالے سے واضح رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔

قرآنِ کریم میں قیاس کی بنیاد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: (۱) ﴿لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ﴾ "تاکہ دین میں فہم و بصیرت حاصل کرتے۔" (التوبة:36)

(۲) ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْأَبْصَارِ﴾ "پس اے دیکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔" (الحشر:2)

یہاں "اِعْتَبِرْ" کا مطلب ہے "رَدُّ الشَّيْءِ اِلٰى نَظِيْرِه" کسی چیز کو اس کے مثل کی طرف لوٹانا۔

(۳) ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (النساء:83)

"اگر اس کو اللہ کے رسول اور اہلِ علم تک پہنچا دیتے تو ان میں سے جو استنباط کرنے والے ہیں وہ سمجھ جاتے۔"

قیاس کی دلیل، عملِ رسول ﷺ سے: ۱۔ جب نبی کریم ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو پوچھا: "جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو گا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا جیسا کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا پھر سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر سنت میں بھی صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا ایسی حالت میں اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فرستادہ رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔"

۲۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دونوں کو یمن کے الگ الگ علاقوں کا قاضی و گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپ ﷺ کے استفسار پر دونوں نے جواب دیا تھا کہ: "جب ہم سنت میں حکم نہیں پائیں گے تو ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کریں گے اور جو فیصلہ حق سے زیادہ قریب ہو گا، اسی پر عمل کریں گے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم دونوں کی رائے درست ہے۔" [محمد بن عمر الرازی، المحصول فی علم الاصول، 5/52]

۳۔ قبیلہ خشعم کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا میرے والد نے اسلام قبول کر لیا ہے اور وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں۔ سواری پر بیٹھ نہیں سکتے اور حج ان پر فرض ہو گیا ہے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا تو وہ تم ادا کرتی یا نہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، ادا کرتی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا" پھر ان کی طرف سے حج ادا کرو۔" گویا بندے کے قرض پر اللہ کے قرض کو قیاس فرمایا۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے: "حاکم جب اجتہاد سے صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر غلط فیصلہ کرتا ہے تو ایک اجر ملتا ہے۔" [صحیح مسلم، ج۵، ص ۱۳۳]

قیاس کے ارکان: 1۔ "اصل"، جس پر قیاس کیا جاتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا حکم ثابت ہوتا ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کو ملا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شراب کی حرمت ثابت ہے اور اس کے ساتھ دیگر منشیات کو ملا دیا جاتا ہے۔

2۔ "فرع"، جو اصل کے ساتھ ملائی جاتی ہے۔ جیسا کہ دیگر منشیات ہیں، اس کو شراب کے ساتھ اس کے حکم میں ملانا مطلوب ہوتا ہے، اور وہ حکم تحریم کا ہے۔

3۔ "علت" جو اصل اور فرع کو جمع کرتی ہے۔ جیسا کہ نشہ دیگر منشیات کو شراب کے حکم تحریم میں ملانے کی وجہ اور علت ہے۔

4۔ "حکم" جو اصل کے لیے ثابت ہے۔ اور یہ مطلوبہ حکم ہے جس میں فرع کو اصل کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ یعنی حرمت۔

(ماڈیول 7 - 63: اجتہاد)

اجتہاد: اجتہاد کا لغوی معنٰی کوشش کرنا ہے۔ اور شرعاً "اجتہاد" اس کوشش کو کہتے ہیں جو کوئی مجتہد سطح کا عالم دین کسی ایسے دینی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے کرتا ہے جس میں قرآن و سنت کا کوئی واضح حکم موجود نہ ہو۔

اجتہاد کے راہنما اصول یہ ہیں: ۱۔ قرآن کریم یا سنت رسولؐ کا حکم جس مسئلہ میں واضح ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

۲۔ قرآن و سنت میں واضح حکم نہ ملے تو سابقہ مجتہدین اور صالحین کے فیصلوں کی پیروی کی جائے۔

۳۔ سابقہ مجتہدین اور صالحین کا بھی کوئی فیصلہ نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کیا جائے۔

۴۔ اپنی رائے سے اجتہاد کا معنٰی یہ نہیں کہ جیسے چاہے رائے قائم کر لی جائے۔ بلکہ قرآن کریم، سنت نبویؐ، اور ماضی کے مجتہدین کے فیصلوں میں زیر بحث مسئلہ سے ملتے جلتے مسائل و معاملات تلاش کیے جائیں اور ان پر قیاس کر کے نئے مسائل میں فیصلے کیے جائیں۔

امام شاطبی نے مجتہد کی بڑی جامع اور مختصر تعریف بیان کی ہے: "اجتہاد کا درجہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو ان دو اوصاف کا حامل ہو، پہلا یہ کہ وہ شریعت کے مقاصد کو مکمل طور پر سمجھتا ہو، دوسرا یہ کہ وہ ماخذ شریعت سے احکام استنباط کرنے کی مکمل استطاعت رکھتا ہو۔" نیز ایک مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معاشرے کے رسوم و رواج کو بھی حالات زمانہ اور ضروریات معاشرہ وغیرہ کو بھی جانتا ہو۔

مجتہد اور اُس کی شرائط: مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ

۱۔ قرآن و سنت کی نصوص کا عالم ہو۔ ۲۔ ان مسائل سے واقف ہو جن پر اجماع ہو چکا ہے۔

۳۔ عربی لغت کا ماہر ہو، صرف و نحو اور بیان و معانی پر قدرت رکھتا ہو۔ ۴۔ آیات و احادیث کے ناسخ و منسوخ سے آگاہ ہو

لیکچر نمبر 17: سیرت النبی - II

(ماڈیول 1 - 73: بعثت و ظہور نبوت اور دعوت و تبلیغ کا آغاز)

بعثت و ظہورِ نبوت: لفظ بعثت کا معنی ہے اعلان نبوت کرنا۔ آپ ﷺ پر وحی نبوت کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔

- 37 سال کی عمر میں حضرت محمد ﷺ نے غارِ حرا میں خلوت نشینی اختیار کرلی۔ آپ ﷺ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور وہاں کئی روز تک عبادت میں مصروف رہتے۔ یہ سلسلہ تقریباً تین سال تک جاری رہا۔
- جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو پیر کی رات، 17 رمضان المبارک کو پہلی وحی کا نزول ہوا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام غارِ حرا میں تشریف لائے اور آپ ﷺ کو تین مرتبہ سینے لگا کر بھینچا اور ہر بار عرض کی کہ "پڑھیے"۔ دو بار تو آپ ﷺ نے فرمایا "ما انا بِقارِیءٍ" البتہ تیسری بار آپ ﷺ نے سورۃ العلق کی درج ذیل ابتدائی پانچ آیات پڑھیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اس نے انسان کو (رحمِ مادر میں) جونک کی طرح معلّق وجود سے پیدا کیا

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

- نزول وحی کے بعد آپ ﷺ کے جسم مبارک پر کپکپی طاری تھی۔ آپ ﷺ گھر آئے اور حضرت خدیجہؓ کو سارے حالات بتائے اور فرمایا مجھے چادر اُوڑھا دو۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی ان الفاظ کے ساتھ دلجوئی کی: "آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔"

دعوت و تبلیغ کی ابتداء: حضور ﷺ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو اپنی بعثت سے آگاہ کیا اور دعوتِ اسلام دی جو حضرت خدیجہؓ نے فوراً قبول کرلی۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بغیر کسی تردّد کے دعوتِ اسلام قبول کی۔ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسلام قبول کیا۔ غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ نے اسلام کی دعوت قبول کی۔ پھر ان سب احباب کو ساتھ ملا کر حضور ﷺ نے آہستہ آہستہ خفیہ طور پر دعوتِ اسلام شروع فرمائی۔ تین سال تک یہ خفیہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔

قریبی رشتے داروں کو دعوت: حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام پہنچانے کا حکم ان الفاظ میں فرمایا:

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء: 214) ترجمہ: اور اے محبوب! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

اس حکم ربانی پر عمل کرنے کے لیے حضور ﷺ نے قرابتداروں کے لیے دعوت کا اہتمام کیا اور ایک بلیغ خطبے کے ذریعے دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

اعلانیہ دعوت: قرابتداروں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے بعد اللہ نے حضور ﷺ کو اعلانیہ دعوت اسلام پہنچانے کا حکم درج ذیل الفاظ میں ارشاد فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر: 94) ترجمہ: پس وہ بات اعلانیہ کہہ دیں جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔

اس حکم الٰہی کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ نے قریش مکہ کو کوہ صفا پر بلایا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا۔ جس پر قریش مکہ برہم ہوئے۔ خاص طور پر آپ ﷺ کے چچا ابو لہب نے مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ابو لہب کی مذمت میں سورۃ الهب نازل فرمائی۔

<u>پہلا دعوتی مرکز- دارِ ارقم:</u> حضور ﷺ نے سنہ 5 نبوت میں دار ارقم کو دعوت اسلام کا مرکز قرار دیا۔ دار ارقم کے قیام کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ایک دن مسلمان مل کر نماز پڑھ رہے تھے کہ کفار کا ایک گروہ وہاں سے گزرا، انہوں نے انہیں نماز پڑھتے دیکھ کر گالم گلوچ شروع کر دی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اُن کی جاہلانہ باتیں سُن کر طیش میں آگئے اور ایک ہڈی یا پتھر اُٹھا کر اُن میں سے ایک کے سر پر دے ماری جس سے وہ شخص زخمی ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ نے ایک خفیہ مرکز کی ضرورت محسوس فرمائی، کوہِ صفا کے دامن میں حضرت ارقم کے گھر کا انتخاب فرمایا۔ اس واقعہ کے بعد سارے صحابہ دارِ ارقم میں جمع ہوتے اور اسلام سیکھتے۔

(ماڈیول2 - 74: مشرکینِ مکہ کی دعوتِ اسلام کو روکنے کی کوششیں)

جب سے رسول کریم ﷺ نے اعلانیہ دعوت کا آغاز کیا تب سے کفار کی مخالفت میں شدت آتی گئی۔ کفار مکہ کی مخالفت کے مختلف مراحل تھے۔ جن میں سے سب سے آخری مرحلہ آپ ﷺ کو جان سے مار دینے کی دھمکی تھی۔ سب سے پہلے کفار مکہ نے بارگیننگ کی کوشش کی۔ 25 نامی گرامی سردار حضرت ابو طالب کے پاس پہنچے اور انہیں حضور ﷺ کے بارے میں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ سے فرمایا: بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ ڈالیے جتنا میں اٹھا سکوں تب آپ ﷺ نے تاریخی الفاظ ارشاد فرمائے کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنی دعوت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ اس دعوت میں یا تو میری جان چلی جائے گی یا اللہ کا دین سربلند ہو گا۔ آپ ﷺ کی یہ جرات دیکھ کر آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب بھی ڈٹ گئے۔ آپ ﷺ کو سرداری، بادشاہت اور شادی کا لالچ بھی دیا جسے آپ ﷺ نے ٹھکرا دیا۔ اگلے مرحلے میں الزام تراشی اور پروپیگنڈہ کا سہارا لیا۔ اس کے رد میں قرآن نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وانک لعلی خلق عظیم ہ۔ نضر بن حارث روم سے قصے، کہانیوں کی کتب لایا اور حضور ﷺ کے کلام کو بھی معاذاللہ اساطیر الاولین قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ اللہ نے اس کی بھی تردید کر دی۔ اس دوران مداہنت کی کوشش بھی کی گئی۔ مگر سورۃ الکافرون نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی رد کر دیا۔ پھر کفار مکہ نے یہودیوں سے تعاون لے کر اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کی حقیقت کے بارے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کے جواب میں قرآن نازل ہوتا رہا۔ جب یہ سارے حربے ناکام ہو گئے تو کفار مکہ نے تشدد کی راہ اختیار کی۔ جس کے نتیجے میں ہجرت حبشہ ہوئی۔ آخری مرحلے میں کفار نے عاجز آکر حضور ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا یہ نبوت کا ساتواں سال تھا۔ قتل کے ارادے سے خبردار ہونے پر بنو ہاشم نے مزاحمت کی تو بنو ہاشم کی مزاحمت کیوجہ سے معاشرتی مقاطعہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

<u>معاشرتی مقاطعہ ختم کرنے کے لئے کوششیں</u>

معاشرتی مقاطعہ کی وجہ سے بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔ سن 7 نبوت سے 10 سن نبوت تک بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ تو بالآخر ہشام بن عمرو، زہیر بن ابی اُمیہ، زمعہ بن الاسود، ابو البختری اور مطعم بن عدی کی کوششوں سے یہ معاشرتی بائیکاٹ ختم ہوا۔ کفار کی لکھی ہوئی معاشرتی مقاطعہ کی تحریر کو دیمک نے ضائع کر دیا۔ اس طرح یہ معاشرتی مقاطعہ ختم ہوا۔

<u>معاہدہ لکھنے والے پر اللہ کا عذاب</u>

منصور بن عکرمہ نے معاشرتی مقاطعہ کا معاہدہ لکھا تھا۔ تمام سردارانِ قریش نے اس پر دستخط کیئے تھے۔ یہ تحریر کعبہ میں آویزاں کر دی گئی تھی۔ اللہ نے منصور بن عکرمہ کا ہاتھ شل کر دیا اور معاہدے کی دستاویز پر دیمک مسلط کر دی سوائے اللہ کے نام کے سوا باقی ساری دستاویز دیمک نے چٹ کر دی۔

(ماڈیول 3 - 75: عام الحزن، سفر طائف اور معراج)

عام الحزن: معاشرتی مقاطعے کے خاتمے کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوگئی۔ آپ ﷺ نہایت غمگین ہوئے اور اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا۔

- اب کفار کی راہ کی رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ اس لیے کفار نے ابو لہب کی سربراہی میں قتل کی دھمکی دی۔ ان تمام حالات کے پیشِ نظر حضور ﷺ نے دعوتِ دین کے لیئے نئی سرزمین تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس مقصد کے لیے مکہ مکرمہ سے ساٹھ کلومیٹر دور طائف کی وادی کا انتخاب کیا۔

حضور ﷺ کا سفر طائف: حضور ﷺ حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لیکر طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت طائف کے قبیلہ بنو ثقیف کی سربراہی تین بھائیوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے ہاتھ میں تھی۔ ان میں سے ایک بھائی کی شادی قریش کی خاتون صفیہ بنتِ معمر سے ہوئی تھی۔ حضور ﷺ سب سے پہلے ان تینوں کے پاس گئے اور دعوتِ حق دی جس پر وہ رئیس زادے بگڑ گئے اور حضور ﷺ کو نازیبا الفاظ کہے۔

- حضور ﷺ ایک ایک کر کے سارے طائف کے سرداروں کے پاس گئے۔ لیکن کسی نے بھی اچھا سلوک نہیں کیا بلکہ اپنی رعونت اور تکبر سے آپ ﷺ پر نازیبا کلمات بولے۔ سب نے کہا کہ آپ ﷺ ہمارے شہر سے چلے جائیں۔ انہوں نے اوباش لڑکوں کو اکٹھا کر کے آپ ﷺ پر پتھر برسانے کے لیے اور مذاق اڑانے کے لیئے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔
- حضور ﷺ نے ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ دو بھائیوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام عداس کے ذریعے سے کچھ انگور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔
- اس موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام ملک الجبال کے ساتھ تشریف لائے اور وادیٔ طائف کو تباہ کر دینے کی اجازت چاہی مگر آپ ﷺ نے منع فرما دیا کہ یہ نہیں تو ان کی اولادوں کے مسلمان ہو جانے کی امید ہے۔
- حضور اکرم ﷺ نے طائف میں دس دن قیام فرمایا اور پھر واپس ہوئے۔ مکہ مکرمہ کی طرف واپسی کے سفر میں جنات کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا اور اس مقام پر مسجد جن تعمیر کی گئی۔

سفر معراج: سفر طائف سے واپسی کے بعد جب رسول کریم ﷺ مکہ تشریف لائے تو 27 رجب المرجب کی شب حضرت ام ہانیؓ کے گھر سوئے ہوئے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ ﷺ کو سفر معراج نصیب ہوا۔ سفر معراج کا ذکر قرآن و حدیث میں تفصیل سے موجود ہے۔ اس سے آپ ﷺ کے قلب اطہر کو اطمینان نصیب ہوا۔

(ماڈیول 4 - 76: دعوتِ اسلام کی نئی حکمت عملی اور سفر ہجرت)

- حج کے ایام میں ہر سال پورے عرب سے لوگ مکہ مکرمہ آتے تھے۔ حضور ﷺ ان لوگوں سے ملاقات کرتے اور انہیں دعوت دین پیش کرتے۔ دیگر علاقوں کی طرح یثرب سے بھی ہر سال حج کیلئے لوگ مکہ آتے تھے حضور ﷺ نے حج کے موقع پر اُن کو دعوتِ اسلام دی۔
- یثرب میں یہود قبائل بھی آباد تھے۔ اس لیئے یثرب کے لوگ یہودیوں سے ایک نبی کے حالات، زمانے اور آمد کا سنتے رہتے تھے۔ اس لیئے اُنہیں یقین ہو گیا کہ یہی وہ نبی آخر الزماں ہیں تو انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی، قبیلہ خزرج کے چھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور واپس جا کر دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب دی۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ: اگلے سال یثرب کے اُن چھ لوگوں میں سے پانچ اور سات نئے لوگ یعنی ٹوٹل بارہ لوگ آئے اور مِنٰی کی گھاٹی جس کا نام عقبہ ہے میں چھپ کر حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی یہ بارہ نبوی کا سال تھا اس بیعت کو بیعتِ عقبہ اولیٰ کہتے ہیں

- بیعت عقبہ اولی میں درج ذیل اصحاب علیہم الرضوان شامل ہوئے۔ عبادہ بن صامت، عباس بن عبادہ بن نضلہ ،عتبی بن عامر ، یزید بن ثعلبہ ، ذکوان بن عبد قیس، عویم بن ساعدہ، ابوالہیثم بن التیہان، اسعد بن زرارہ، عوف بن الحارث، عقبہ بن عامر ، رافع بن مالک العجلان، عقبہ بن عام بن حدیدہ علیہم الرضوان۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ کی شرائط: اس بیعت کی اہم شرائط حسب ذیل ہیں: 1۔ ہم ایک خدا کی عبادت کرینگے۔

2۔ ہم چوری اور زناکاری نہیں کرینگے۔ 3۔ ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔ 4۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرینگے۔

5۔ ہم آپ ﷺ کی ہر حال میں اطاعت کرینگے۔

- حضور ﷺ نے یثرب کے لوگوں کے ساتھ حضرت مصعب بن عُمیرؓ کو تبلیغ اسلام کے لیئے بھیجا۔ حضرت مصعب بن عُمیرؓ، حضرت اسعد بن زرارہ کے مکان میں ٹھہرے۔ انصار کے ایک ایک گھر جا کر اسلام کی دعوت دینے لگے۔ مصعب بن عُمیرؓ نے قبیلہ اوس کے بااثر اور بہادر سردار سعد بن معاذ کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے بیزاری کا اظہار کیا لیکن جب قرآن سُنا تو بہت متاثر ہوئے اور ایمان لے آئے۔ اپنے سردار کو مسلمان ہوتا دیکھ کر قبیلہ اوس آغوشِ اسلام میں آگیا۔

بیعتِ عقبہ ثانی: اگلے سال حج کے موقع پر پچھتر (75) انصار نے عقبہ میں حضور ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ ان میں دو عورتیں (نسیبہ بنت کعب بن عمرو امّ عمارہ اور اسماء بنت عدی) اور تہتر مرد شامل تھے۔ حضرت عباسؓ نے اس موقع پر اہل یثرب کو ان کی ذمہ داری سے آگاہ کیا اور حالات کی سنگینی پر خبردار کیا۔ کہ حضور ﷺ کو ساتھ لے جانے کا مطلب پورے عرب کو دشمن بنانا ہے۔ مگر انصار اپنے ارادے پر مضبوطی سے قائم رہے۔

بیعتِ عقبہ ثانی کی شرائط: انصار نے ادب واحترام سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ ہم کن آمور پر آپ ﷺ کی بیعت کریں؟

حضور ﷺ نے فرمایا اس بات پر کہ میری بات سنوگے اور بجالاؤگے خوشدلی اور افسردگی، دونوں حالتوں میں، اور خرچ کروگے تنگ دستی اور غنّا دونوں حالتوں میں، اور یہ کہ نیکی کا حکم دوگے اور برائی سے روکوگے۔ اللہ کی خاطر کلام کروگے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پروا نہیں کروگے۔ اس بات پر کہ جب میں تمہارے پاس یثرب آؤں تو میری مدد کروگے اور ہر چیز سے میرا دفاع کروگے جس سے تم اپنا، اپنی عورتوں کا اور اپنے بچوں کا دفاع کرتے ہو اگر تم نے یہ بات نبھائی تو اجر میں تمہیں جنت ملے گی۔

ہجرت مدینہ: مشرکینِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تھے۔ اور کفار مکہ حضور ﷺ کو معاذاللہ شہید کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ اب جان ومال کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ہمراہ لیا۔ راستے میں غار ثور میں تین دن قیام کیا۔ کفار مکہ نے آپ ﷺ کو زندہ گرفتار کرنے یا معاذاللہ قتل کرنے پر سو اونٹ انعام کا اعلان کیا ہوا تھا۔ سراقہ بن مالک نے اسی بناء پر آپ ﷺ کا پیچھا کیا لیکن ناکام رہا۔ پھر حضور ﷺ سے امان لے کر مسلمان ہوگیا۔ راستے میں آپ ﷺ نے ام معبد کے خیمے میں قیام کیا۔ کچھ ایام مقام قبا پہ گزارے اور مسجد کی تعمیر کی۔ اسی مقام پر حضرت علیؓ بھی آکر آپ ﷺ کے شریک سفر بنے۔

لیکچر نمبر18: سیرت النبی- III

(ماڈیول1 - 77: مدینہ منورہ میں تشریف آوری اور ابتدائی اقدامات)

حضور ﷺ کا مدینہ میں استقبال بہت شایان شان طریقے سے کیا گیا۔ کچھ صحابہ کرامؓ پہلے مدینہ آچکے تھے۔ اور انصارِ مدینہ کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد کا بڑی بے تابی سے روز انتظار کرتے تھے۔ کچھ دن بعد ایک یہودی نے جو کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا اس نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر دی۔ تو لوگوں نے پر تپاک طریقے سے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔

<u>مدنی زندگی کے تین مراحل:</u> حضور ﷺ کی مدنی زندگی کا اجمالی جائزہ لینے سے اس کے تین مراحل سامنے آتے ہیں:

ا۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جس میں فتنے اور اضطرابات عروج پر تھے۔ دعوت اسلام کے لیے اندر کی رکاوٹیں، بیرونی حملے بہت بڑا مسئلہ تھے۔ یہ مرحلہ صلح حدیبیہ ٦ ھ میں ختم ہو گیا۔

٢۔ دوسرا مرحلہ بت پرست قیادت کے ساتھ صلح سے شروع ہو کر فتحِ مکہ ٨ھ پر منتہی ہوا۔ اسی دوران شاہانِ عالم کو دعوتِ دین کے لیے پیغام بھیجے گئے۔

٣۔ تیسرے مرحلہ میں اسلام کا غلبہ سامنے آیا اور مخلوق، فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئی۔ گرد و نواح سے قبائل کے وفود آئے اور اسلام قبول کیا۔ فتوحات اسلام کا آغاز ہوا اور وصالِ مبارک پر یہ مرحلہ مکمل ہوا۔

- مدینہ منورہ پہنچ کر رسول کریم ﷺ نے تین اہم اقدامات کیے: 1۔ تعمیرِ مسجد 2۔ مواخاتِ مدینہ 3۔ میثاقِ مدینہ

<u>تعمیرِ مسجد:</u> سب سے پہلے مسجد تعمیر کر کے آپ ﷺ نے اسلام میں مسجد کی مرکزی حیثیت واضح کر دی۔ عدلیہ، انتظامی سیکر ٹیریٹ، پارلیمنٹ، وار سینٹر، وفود سے ملاقات، بے سہاروں کی مرکز بھی یہی مسجد تھی اسی مسجد میں ہی اولین درسگاہ صفہ قائم تھی۔ مسجد نبوی کیلیے جگہ دس دینار میں دو یتیموں سہل اور سہیل سے خریدی گئی۔ اس سے قبل یہ زمین کھجوریں سکھانے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ سعودی جنرل پریزیڈنسی کے مطابق، مسجد کا ابتدائی رقبہ 1050 مربع میٹر تھا اور ہجرت کے سات سال بعد پیغمبرِ اسلام کی ہدایت پر اسے بڑھا کر 1425 مربع میٹر کر دیا گیا تھا۔

<u>مواخات مدینہ:</u> مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد حضور ﷺ کا دوسرا اہم کام مواخات مدینہ تھا۔ لفظ مواخات "اخ" سے ماخوذ ہے جس سے مراد ہے "بھائی"۔ اس طرح مواخات کا مطلب ہے ایک فرد کو دوسرے کا بھائی بنانا۔ مہاجرین بے سروسامان کی حالت میں مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ نے ان کی آبادکاری کا مسئلہ حل کرنے کے لیے مواخات کی بنیاد رکھی۔

- حضور ﷺ نے مسلمانوں کو حضرت انس بن مالکؓ کے گھر پر اکٹھا کیا۔ اس طرح ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اور ہر چیز میں شریک کر دیا۔ وفات کے بعد وراثت میں بھی حق دیا گیا۔ حق وراثت کے حکم کا اطلاق سورہ احزاب کی 6 نمبر آیت کے نزول تک رہا۔
- مواخات مدینہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے درج ذیل مقاصد بیان کیے ہیں:

جاہلی عصبیتیں تحلیل کرنا   وطن، رنگ اور نسل کے امتیازات کا خاتمہ کرنا

حمیت و غیرت کا اسلام کے لئے مخصوص کرنا   بلندی و پستی کا معیار تقویٰ

- انصار نے کمال درجہ ایثار کا مظاہرہ کیا۔ جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت سعدؓ بن ربیع اور حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوفؓ کو بھائی بنایا گیا تو حضرت سعدؓ نے اپنے گھر، مال و اسباب میں سے ہر چیز کے دو حصے کر کے ایک حصہ حضرت عبد الرحمن کو پیش کر دیا یہاں تک کہ اپنی ایک بیوی کو طلاق دے کر بعد از عدت نکاح کرنے کی پیشکش بھی کر دی۔ لیکن حضرت عبد الرحمن نے شکریے کے ساتھ بازار کا راستہ پوچھا اور تجارت شروع کی۔

میثاقِ مدینہ (دنیا کا پہلا تحریری دستور): ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں تین اقوام موجود تھیں: 1۔ صحابہ کرامؓ 2۔ مدینہ کے رہنے والے اوس و خزرج 3۔ یہود ان اقوام کو ایک ریاست کی شکل دینے اور قانون کے تابع بنانے کے لیے آپ ﷺ نے ان اقوام کے درمیان ایک معاہدہ قلمبند کروایا۔ جسے میثاقِ مدینہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ میثاق مدینہ سے ایک مخلوط ریاست کو وجود ملا۔ میثاقِ مدینہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جس میں مختلف اقوام نے حصہ لیا۔ اور یہی دستور ریاستِ مدینہ کی بنیاد بنا۔

- میثاقِ مدینہ مسلمانوں اور نصاریٰ و یہود کے درمیان طے پایا تھا۔ اطرافِ مدینہ میں آباد یہود کے تین قبیلے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ اس معاہدے میں شامل تھے۔

میثاقِ مدینہ کی اہم شرائط: 1۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ آور ہو تو دونوں فریق ملکر مدافعت کریں گے۔
2۔ فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ کی نوبت آئے تو وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
3۔ فریقین میں سے جب کوئی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرا بھی اس صلح میں شریک ہو گا البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی۔
4۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے چلا آرہا ہے وہ قائم رہے گا۔ 5۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔

میثاقِ مدینہ کے فوائد و ثمرات: مدینہ کے اطراف میں آباد یہود قبائل سے ریاستِ مدینہ کو خطرات تھے۔ جو اس معاہدے سے ختم ہو گئے۔ مسلمانوں کو تحفظ ملا۔ اور بہتر مستقبل کی راہ ہموار ہو گئی۔ چونکہ کفارِ مکہ ہر ممکن نقصان پہنچانے کے لیئے سرگرم تھے۔ اس لیے اس معاہدہ سے اب کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کے اتحاد کا خدشہ ختم ہو گیا تھا۔ چونکہ نوزائیدہ اسلامی ریاست کی بقاء اور نظم و نسق کے لیے تمام (فریقوں) کو ایک قانون کے ماتحت کرنا ضروری تھا۔ اس لیے اس معاہدہ کیے قیام سے ریاست کا نظم و نسق بہتر طریقے سے چلایا جاسکتا تھا۔

میثاقِ مدینہ کے اثرات: مدینے کے اوس اور خزرج قبائل کے درمیان لڑائیوں کا خاتمہ ہوا۔ یہودی بالادستی کا خاتمہ ہوا۔
یہ معاہدہ ریاستِ مدینہ کی بقاء کی ضمانت بنا۔ اس معاہدہ سے کفارِ مدینہ کے لیے مشکلات بڑھ گئیں۔

(ماڈیول 2 - 78: غزوۂ بدر)

غزوہ بدر کا پس منظر: مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوا تو مشرکین مکہ کو اس بات سے رنج پہنچا اس لیے مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے سرگرم ہو گئے۔ اور مسلمانوں پر حملے کرنے کی دھمکیاں بھی بھیجیں۔ اسی دوران ابوسفیان کا تجارتی قافلہ شام سے واپسی پر مدینہ سے گزرا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا۔ سردارانِ قریش نے اپنے مال کی حفاظت کے لئے لشکر روانہ کیا۔ ابوسفیان قافلہ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس نے جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا لیکن ابوجہل نے جنگ پر اکسایا۔ اور مقام بدر پر یہ جنگ ہوئی۔ مقام بدر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے پرانے راستے پر تقریباً 80 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں ایک کنواں تھا جس کے مالک کا نام بدر بن عامر تھا، اسی سے اس کنویں اور پھر اس جگہ کا نام بدر پڑا۔

- اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد 313 تھی۔ ان کے مقابلے میں لشکرِ کفار 1000 افراد پر مشتمل تھا۔ جنگی سازوسامان کے اعتبار سے بھی بہت فرق تھا۔ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور تلواریں بھی پوری نہ تھیں۔ اس کے مقابلے میں کفار مکہ پوری طاقت اور تیاری کے ساتھ میدان میں اترے تھے۔
- حضور ﷺ 16 رمضان کو مقام بدر پر پہنچے۔ سرداران کفار کے مرنے کی جگہوں کی نشاندہی کی۔ اور فتح و نصرت کے لئے ساری رات دعا کرتے رہے۔

- لشکرِ اسلام کی مدد کے لئے ملائکہ کا نزول ہوا۔ اللہ نے مسلمانوں پر نیند طاری کر دی۔ جس سے دلوں کو سکون ملا۔ بارش برسی جس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ اس سے مومنوں کو پاک کر دیا گیا اور شیطان کی نجاست کو دور کر دیا گیا۔ غزوہ بدر میں نصرتِ الٰہی کا تذکرہ سورۃ الانفال کی آیت نمبر 8 سے 14 میں ملتا ہے۔
- تعداد میں کمی کے باوجود صحابہ کرامؓ کا جوشِ ایمانی دیدنی تھا۔ کفارمکہ کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید انفرادی جنگ کے لیے نکلے جن کے مقابلے کے لیے حضرت علی، حجرت حمزہ اور حضرت ابوعبیدہ علیہم الرضوان آگے بڑھے۔ حضرت علیؓ نے شیبہ کو قتل کیا، حضرت حمزہؓ، کو ولید سے انفرادی لڑائی میں فتح ہوئی۔ اجتماعی جنگ میں بھی کفار کو شکست ہوئی۔
- مسلمانوں میں سے 14 صحابہ کرامؓ شہید ہوئے کفار کے 70 افراد جن میں بیشتر سرداران تھے اس معرکہ میں واصلِ جہنم ہوئے۔
- اس جنگ میں 70 کفار قیدی بنے ان کے بارے میں حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا کہ قیدیوں کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے قتل کا مشورہ دیا جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے فدیہ وصول کرنے کا مشورہ دیا۔ اوراس سلسلہ میں بالآخر حضرت ابو بکرؓ کا مشورہ قبول ہوا۔

(ماڈیول 3 – 79: غزوۂ اُحد)

غزوہ احد کا پس منظر: غزوہ بدر میں مسلمانوں کو شاندار فتح ہوئی تھی۔ اس کے بعد علاقے کی قوتوں بشمول قریش مکہ اور یہودیوں کو اندازہ ہوا کہ اب مسلمان ایک معمولی قوت نہیں رہے۔ شکست کھانے کے بعد مشرکینِ مکہ نہایت غصے میں تھے اور نہ صرف اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتے تھے بلکہ ان تجارتی راستوں پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتے تھے جن کی ناکہ بندی مسلمانوں نے غزوہ بدر کے بعد کر دی تھی۔ جنگ احد، شوال 3ھ میں مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے درمیان احد کے پہاڑ کے دامن میں ہوئی۔

- اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد 1000 تھی 300 افراد عبد اللہ بن ابی کے ساتھ تھے جو بعد میں ساتھ چھوڑ گئے ان کے مقابلے میں لشکرِ کفار 3000 افراد پر مشتمل تھا۔
- احد کا پہاڑ مسلمانوں کی پشت پر تھا وہاں ایک درہ پر حضور ﷺ نے عبد اللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کو مقرر کیا تاکہ دشمن اس راستے سے میدانِ جنگ میں نہ آسکے ان حضرات کو کسی بھی حالت میں جگہ نہ چھوڑنے کی تلقین کی گئی۔
- تعداد اور سازوسامان میں کمی کے باوجود صحابہ کرامؓ جوشِ ایمانی سے جہاد میں مصروف تھے۔ حضرت حمزہؓ نے کفار پر حملے کیے اور انکی ہیبت کفار پر طاری ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے طلحہ بن ابو طلحہ کو قتل کیا۔ حضرت ابو دجانہؓ نے حضور ﷺ کی دی ہوئی تلوار کا حق ادا کیا۔ کفار کا علَم گر گیا اورانہوں نے میدان جنگ سے فرار اختیار کیا۔
- لشکر کفار کو بھاگتا دیکھ کر کچھ مسلمان مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہوئے تو درے پر موجود تیرہ انداز اصحاب نے بھی اپنی جگہوں کو چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ نے درہ چھوڑنے کی مخالفت کی اور حکم نبوی کی تعمیل کرنے کی تلقین کی۔ لیکن اصحاب نے ان کا مشورہ قبول نہ کیا اور درہ چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید (جو تب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے درے کو خالی دیکھ کر پیچھے سے پھر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس طرح حضور ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے مسلمانوں کو بھاری نقصان ہوا جس کا ذکر سورہ آلِ عمران آیت 152 اور 153 میں موجود ہے۔
- جب مسلمان پسپا ہونے لگے تو کفار نے حضور ﷺ پہ حملہ کیا. معصب بن عمیرؓ، چونکہ حضور ﷺ کے ہم شکل تھے اس لیے ان کی شہادت سے حضور ﷺ کے شہید ہونے کی افواہ پھیل گئی۔ اس دوران حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت ابو دجانہ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بہادی کے جوہر دکھائے۔ حضرت علیؓ نے کفار کے حملے کو ناکام بنایا جبکہ حضرت طلحہؓ اپنے ہاتھ سے تیر روکتے رہے۔ حضرت ابو دجانہ بھی حضور ﷺ کے لیے ڈھال بن کر کھڑے

رہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا تیر چلاتے رہے اور حضور ﷺ نے انہیں دعا دی اور حوصلہ افزائی ان لفظوں میں کی۔ کہ اے سعد! تیر چلاؤ تجھ پہ میرے ماں باپ قربان۔

- اس جنگ میں 70 صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ حضرت حمزہؓ جو حضور ﷺ کے رفیق چچا تھے ان کے جسمِ اقدس کی ہندہ نے توہین کی۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت حنظلہؓ، حضرت عامرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ ان سب شہدا کو احد میں ہی دفن کر دیا گیا۔
- حضور ﷺ کے چہرہ انور اور سر اقدس پر زخم آئے۔ آپ ﷺ کا خون مبارک بہہ نکلا۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کا زخموں کو صاف کرتے اور مرہم لگاتے تھے۔

(ماڈیول 4 - 80: غزوہ احزاب) غزوہ خندق

احزاب، حزب کی جمع ہے۔ جس کا مفہوم ہے "گروہ"۔ چونکہ اس میں کفار کے مختلف گروہ مسلمانوں کے خلاف یکجا ہو کر حملہ آور ہوئے تھے اس لیے اسے غزوہ احزاب کہتے ہیں۔ مسلمانوں نے چونکہ اپنے دفاع کے لیے ایک خندق کھودی تھی اس لیے اس جنگ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔

- کفار مکہ مسلمانوں کو ختم کرنے میں ناکام رہے تھے۔ دوسری طرف یہود کو بھی اپنا مستقبل خطرے میں لگتا تھا۔ اور وہ بھی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے پریشان تھے۔ اس لیے یہودی قبائل کے سرداران اکٹھے ہو کر مکہ گئے۔ اور کفار مکہ کو مسلمانوں سے مشترکہ جنگ پر اکسایا۔ یہود کی کوششوں سے قریش کے ساتھ دیگر عرب قبائل مثلاً قبیلہ بنو غطفان بھی جنگ میں شریک ہوئے۔ اس طرح کفار کے مجموعی لشکر کی تعداد 10000 ہو گئی جن میں 4000 قریش اور 6000 دیگر عرب قبائل کے لوگ تھے۔

<u>مسلمانوں کی جنگی تیاریاں:</u> حضور ﷺ کو اس پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو 3000 کا لشکر تیار کیا اور مدینہ کے دفاع کے لئے شوریٰ کا اجلاس بلایا۔ جس میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر خندق کھودنے پر اتفاق ہوا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مختلف اصحاب کی ذمہ داریاں لگا دیں کہ وہ خندق کھودیں۔

- صحابہ کرامؓ کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ اور ان کی زبان پر یہ ترانہ تھا "نحن الذین بایعوا محمدا"۔ یہ وقت تمام مسلمانوں کے لیے بہت آزمائش کا وقت تھا۔ بھوک سے نڈھال تھے اور پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے خود حضور ﷺ نے شکم اطہر پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔
- خندق کی کھدائی کے دوران متعدد معجزات کا ظہور ہوا۔ مٹھی بھر کھجوروں سے لشکر کو سیر کیا اسی طرح حضرت جابرؓ کے گھر کھانے میں برکت ہوئی اور پورے لشکر کو یہ کھانا کافی ہوا۔ اور خندق کی مضبوط چٹانوں کو توڑ کر آپ ﷺ نے ملکِ شام، عراق اور ایران کی فتح کی خوشخبری عطا فرمائی۔

<u>جنگ کے واقعات و نتائج:</u> جب لشکر کفار مدینہ پہنچا تو شہر کے گرد خندق دیکھ کر حیران ہوا۔ کفار نے خندق عبور کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ یہود کا جو قبیلہ اس وقت مدینہ میں مقیم تھا اور میثاق مدینہ کا فریق تھا اس نے بھی بیوفائی کی۔ اور عہد توڑ ڈالا اور کفار مکہ کی مدد کے لیے مسلمانوں پر حملہ کے لیے آمادہ ہو گیا۔ ایسی حالت میں حضور ﷺ نے حضرت نعیم بن مسعودؓ کو جاسوس بنا کر بھیجا جنہوں نے اپنی کوشش سے یہود اور کفار میں پھوٹ ڈال دی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آندھی اور طوفان کے ذریعے مسلمانوں کے پاس پہنچی اور کفار مکہ کو ایک ماہ تک قیام کے بعد بالآخر ناکام واپس لوٹنا پڑا۔

(ماڈیول 5 - 81: صلح حدیبیہ اور سربراہانِ مملکت کو دعوتی خطوط)

صلح حدیبیہ کا پس منظر: غزوہ احزاب کے بعد جب دس ہزار کا لشکر مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا تو اب حالات مسلمانوں کے لیے بدل گئے تھے۔ اور ان کی قوت کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے غزوہ احزاب کے خاتمے پر فرما دیا تھا کہ اب کفار مکہ لشکر کشی کی جرات نہیں کر سکیں گے۔

- اسی دوران آپ ﷺ نے عمرہ کرنے کا خواب دیکھا اور اس کا ذکر صحابہ کرامؓ سے کیا۔ تقریبا 1500 صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے ساتھ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ اس دوران صرف تلوار کے علاوہ کسی بھی قسم کا جنگی سامان ساتھ نہ لیا گیا۔
- آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا۔ اونٹ کا کوہان چیر کر نشان لگایا تاکہ جانا جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ احتیاطامکہ کی طرف جاسوس روانہ کیا تاکہ معلومات لیں اور کسی اچانک حملے سے محفوظ رہا جائے۔

قریش کا مسلمانوں کو بیت اللہ آنے سے روکنا: مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کی آمد پر باہم مشورہ کیا اور اپنی ضد وانا کے سبب یہ فیصلہ کیا کہ وہ کسی بھی صورت مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ خالد بن ولید دو سو سواروں کے ساتھ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے چونکہ احرام باندھ لیا تھا اس لیے جنگ سے دامن بچا کر چلنا چاہتے تھے اسی وجہ سے آپ ﷺ راستہ بدل کر آگے بڑھ گئے اور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔

قریش کے ایلچی: مشرکین مکہ نے مذاکرات کے لیے بنو کنانہ سے حلیس بن علقمہ کو بھیجا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ جنگ کا لشکر نہیں ہے اس لیے واپس جا کر مشرکین مکہ کو یہی اطلاع دی۔ اس کے بعد عروہ بن مسعود آیا۔ وہ مسلمانوں کی حضور ﷺ سے محبت واطاعت دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اور واپس جا کر صحابہ کرامؓ کی جانثاری کا ذکر کیا اور مسلمانوں سے نہ لڑنے کا مشورہ دیا۔

- حضور ﷺ نے اپنی طرف سے عثمانِ غنیؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ حضرتِ عثمانؓ نے حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ لیکن کفار نہ مانے پھر انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو عمرہ کی پیشکش کی لیکن آپؓ نے، حضور ﷺ کے بغیر عمرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔

بیعتِ رضوان: چونکہ سفیر کا قتل اعلان جنگ ہوا کرتا ہے اس لیے حضور ﷺ نے حضرت عثمانِ غنیؓ کے قتل کی افواہ پہ بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی۔ تقریبا تمام سب صحابہ کرامؓ نے بیعت کی۔ اس بیعت کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ فتح میں کیا گیا ہے۔

- حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی افواہ بعد ازاں غلط ثابت ہوئی اور حضرت عثمانؓ زندہ سلامت لوٹ آئے۔ بالآخر قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو صلح کے لیے بھیجا اور درج ذیل شرائط پر صلح ہوئی: 1۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال 3 دن کے لئے آسکیں گے۔

2۔ دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔ 3۔ جو محمد ﷺ کے عہد وپیمان میں داخل ہونا چاہے گا ہو سکے گا اور جو قریش کے ساتھ ہونا چاہے گا وہ بھی ہو سکے گا۔

4۔ قریش کا جو شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا اسے واپس کیا جائے گا لیکن اگر محمد ﷺ کا کوئی شخص قریش کے پاس آئے گا اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ (یہ معاہدہ حضرت علیؓ نے تحریر کیا)

<u>سربراہانِ مملکت کو دعوتی خطوط:</u> اب چونکہ امن قائم ہو چکا تھا اس لیے حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت کا پیغام مختلف ممالک کے بادشاہوں تک پہنچانے کے لیے خطوط لکھے۔ جن میں درج ذیل مشہور بادشاہ وحکمران شامل تھے: 1۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی (اصل نام اصحمہ تھا) 2۔ ہرقل ، قیصر روم

3۔ خسرو پرویز، شاہِ ایران 4۔ مقوقس، شاہِ مصر 5۔ ہوذہ بن علی، شاہِ یمامہ

ان خطوط کی مشترکہ دعوت یہ تھی "اَسلِم تَسلَم" یعنی ایمان لے آؤ، سلامت رہو گے۔

لیکچر نمبر 19: سیرت النبی- IV

(ماڈیول 1 - 82: غزوۂ خیبر اور جنگ موتہ)

صلح حدیبیہ کے بعد مشرکینِ مکہ سے حفاظت ہوگئی تھی لیکن یہود کی اسلام کے خلاف مستقل سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ جس کی وجہ سے خیبر کا علاقہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا گڑھ بن چکا تھا۔ اس لیے خیبر کو اسلام دشمنی سے پاک کرنے کے لئے جہاد کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

- خیبر مدینہ کے شمال میں تقریباً 100 میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں قلعے بھی تھے اور فصیلیں بھی۔ خیبر کی آبادی دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک حصے میں 5 مضبوط قلعے تھے۔ بڑے قلعوں میں حصن ناعم، حصن صعب بن معاذ، حصن قلعہ زبیر، حصن ابی، حصن نزار شامل تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے حصے میں چھوٹے قلعے تھے۔
- حضور ﷺ نے خیبر کی طرف روانگی کا اعلان کیا اور انہی 1500 اصحاب کا انتخاب کیا جو بیعت رضوان میں شامل ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے جنگی حکمت اور اپنی سنت کے مطابق اس پیش قدمی کو راز رکھا۔ تاہم رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے خیبر کے لوگوں کو اس پیش قدمی کی خبر بھجوا دی تھی۔
- خیبر کے نزدیک پہنچ کر حضور ﷺ نے لشکر کا پڑاؤ ایسی جگہ پر کیا جس سے یہود کا شام کی طرف بھاگنے کا راستہ بند ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی بنو غطفان و دیگر قبائل کا راستہ بھی روک دیا گیا کہ وہ یہود کی مدد نہ کر سکیں۔
- حضور ﷺ نماز فجر ادا کرنے کے بعد خیبر میں داخل ہوئے۔ یہودیوں نے قلعوں میں رہ کر مقابلہ کرنا شروع کیا۔ یکے بعد دیگرے قلعے فتح ہوتے گئے لیکن ایک قلعہ ناعم کی فتح میں رکاوٹ آگئی۔ حضور ﷺ نے جھنڈا حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا اور ان کی سرکردگی میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ قلعہ ناعم میں حضرت علیؓ کا مشہور یہودی پہلوان مرحب سے مقابلہ ہوا اور حضرت علیؓ نے اسے شکست دی۔ اس طرح قلعہ ناعم بھی فتح ہوا۔
- اس کے بعد یہودی ہمت ہار گئے تو انہوں نے صلح کی کوشش کی اور ہتھیار ڈال دیے۔ حضور ﷺ کی شرائط پر جنگ بندی ہوئی اور یہود کی جان بخشی کر دی گئی اور خیبر کا علاقہ مسلمانوں کے کنٹرول میں آگیا۔

غزوہ موتہ: مسلمانوں کی ایک جماعت کو جس میں 70 صحابہ کرامؓ شامل تھے، حضور ﷺ نے دعوت دین کے لیے روانہ کیا۔ انہیں بدعہدی کر کے بئر معونہ کے علاقے میں شہید کر دیا گیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے حضور ﷺ نے تین ہزار کا لشکر روانہ کیا۔ جنگ موتہ کا دوسرا سبب نبی اکرم ﷺ کا خط لے جانے والے سفیر حارث بن عمیر ازدی کی بنو غسان کے سردار کے ہاتھوں شہادت تھی۔ چونکہ سفیر کا قتل اعلان جنگ سمجھا جاتا تھا اس لیے آپ ﷺ نے بدلہ لینے کے لیے لشکر روانہ کیا۔

- لشکر کے سالاروں سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ سپہ سالار حضرت زید بن حارثہؓ ہوں گے۔ ان کی شہادت ہو جائے تو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، اور ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ فوج کی سربراہی کریں گے۔ ان کی شہادت کی صورت میں لشکر کی باہم مشاورت سے سپہ سالار کے انتخاب کی نصیحت کی۔
- مسلمانوں کو اس جنگ میں دو لاکھ کے رومی لشکر کا سامنا تھا۔ سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت ہوئی اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید اپنے حسن تدبیر سے مسلمانوں کے لشکر کو کفار کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ نے لشکر کی ترتیب بدلی جس سے کفار نے سمجھا کہ مسلمانوں کو کمک مل گئی ہے اس لیے وہ پیش قدمی سے باز رہے۔ اور حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے لشکر کو بغیر شکست کا تاثر دیے بچانے میں کامیاب ہوئے۔

(ماڈیول2 - 83: فتح مکہ اور غزوۂ حُنین)

فتح مکہ کا پس منظر : صلح حدیبیہ کی دفعات میں یہ بات شامل تھی کہ عرب کے قبائل میں سے جو جس کا چاہے اتحادی بن جائے۔ اس دفعہ کے تحت بنو خزاعہ حضور ﷺ کے ساتھ اور بنو بکر قریش کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بنو بکر کے نوفل بن معاویہ نے ساتھیوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ بنو خزاعہ نے حرم کعبہ میں پناہ لینا چاہی لیکن وہاں بھی انہیں ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس حملہ میں بنو بکر کو قریش کی معاونت بھی حاصل رہی۔ جو صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی کھلی خلاف ورزی تھی۔

حضور ﷺ کو معاہدے کی خلاف ورزی کی اطلاع : عمرو بن سالم خزاعی مدینہ آئے اور حضور ﷺ کو سارے واقعہ کی اطلاع دی۔ اور آپ ﷺ سے مدد طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری مدد کر دی گئی۔

تجدیدِ صلح کے لئے ابو سفیان کی مدینہ آمد: قریش کو اپنی بد عہدی کا احساس ہوا تو ابو سفیان کو تجدیدِ صلح کے لئے مدینہ بھیجا گیا۔ حضور ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ اصحاب سے بھی ملے لیکن کہیں سے بھی مثبت جواب نہ ملا تو وہ ناکام واپس لوٹ گئے۔

غزوہ کی رازدارانہ تیاری : حضور ﷺ نے مکہ کی طرف روانگی کی تیاری شروع کی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے جاسوسوں اور خبروں کے قریش تک نہ پہنچنے کی دعا کی۔ تا کہ مسلمان ان پر اچانک حملہ آور ہوں اور کفار پر رعب طاری ہو سکے تا کہ وہ جنگ ست باز رہیں اور بغیر خون بہائے مکہ فتح ہو جائے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے خفیہ طور پر ایک عورت کے ذریعے اس پیش قدمی کی اطلاع اہل مکہ تک پہنچانے کی کوشش کی مگر اللہ نے حضور ﷺ کو باخبر کر دیا۔ اور وہ عورت گرفتار ہو گئی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اپنے اس عمل کی وضاحت پیش کی کہ انہوں نے اپنے اہل خانہ جو مکہ میں تھے ان کے تحفظ کے لیے اہل مکہ پر احسان کرنا چاہا تھا۔ حضرت حاطب چونکہ بدری صحابی تھے اس لیے انہیں معاف کر دیا گیا۔

اسلامی لشکر مکہ کی راہ میں: حضور ﷺ نے 10 ہزار صحابہ کرام کا لشکر تیار کیا یہ لشکر 10 رمضان کو مدینہ سے روانہ ہوا۔ راستے میں جحفہ کے مقام پر حضرت عباس بن عبد المطلب سے ملاقات ہوئی حضرت عباس اگرچہ کافی عرصہ سے ایمان لا چکے تھے لیکن حکمت عملی کے تحت مکہ میں مقیم تھے اور اب مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ وہ بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ مرّالظّہران کے مقام پر مسلمانوں کے لشکر نے پڑاؤ کیا۔ حضور ﷺ نے سب کو الگ الگ آگ جلانے کا حکم دیا تا کہ کفار مکہ پر رعب پڑے۔ یہ تدبیر واقعتاً کارگر ثابت ہوئی اور اہل مکہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر خائف ہو گئے۔ ابو سفیان مکہ سے باہر ٹوہ لینے کے لیے نکلے ہوئے تھے حضرت عباس بن عبد المطلب نے ان کی آواز سن لی اور انہیں لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا حضور ﷺ سے گفت و شنید کے بعد حضرت ابو سفیانؓ ایمان لے آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ مکہ جا کر اہل مکہ کو اطلاع کر دیں کہ جنگ سے باز رہیں۔ جو کوئی حرم کعبہ میں پناہ لے گا اسے معاف کیا جائے گا۔ جو حضرت ابو سفیان کے گھر پناہ لے گا اسے بھی معاف کر دیا جائے گا اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اسے بھی معاف کر دیا جائے گا۔

مکہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ: حضور ﷺ نے ذی طویٰ کے مقام پر اسلامی لشکر کو ترتیب دیا۔ لشکر کو 4 حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید کو زیریں حصے سے داخل ہونے کی تلقین کی گئی۔ حضرت زبیر بن عوام کو بالائی حصے سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت ابو عبیدہ کو بطنِ وادی کا راستہ پکڑنے کی تلقین کی۔ آپ ﷺ کی یہ تدبیر بھی کارگر رہی۔ اور اہل مکہ میں سے زیادہ تر لوگوں نے لشکر اسلامی کے رعب میں آ کر امن کا راستہ اپنایا۔

رسول اللہ ﷺ کا حرم میں داخلہ اور عام معافی کا اعلان: آپ ﷺ حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور چھڑی کی ضرب سے بتوں کو گرانا شروع کیا۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا گیا۔ اتنی دیر میں اہل مکہ صحن کعبہ میں جمع ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے کعبہ مشرفہ کے دروازے پہ کھڑے ہو کر عام معافی کا اعلان کیا۔

غزوہ حنین کا پس منظر: فتحِ مکہ کی خبر عرب کے قبائل پر گراں گزری۔ چند طاقتور اور متکبر قبائل نے مسلمانوں سے جنگ کی ٹھان لی۔ اس سلسلہ میں قبیلہ بنو ہوازن اور قبیلہ بنو ثقیف سرِفہرست تھے۔ حضور ﷺ نے بھی لشکر ترتیب دیا دس ہزار کا پہلا لشکر جس میں دو ہزار نئے مسلمان فتح مکہ کے بعد شامل ہوئے تو کل 12000 کا لشکر بنو ہوازن کی طرف روانہ کیا گیا۔

جنگ کا آغاز اور کفار کی شکست: بنو ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے اپنی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف لشکر ترتیب دیا۔ مسلمانوں کی تعداد چونکہ کافی زیادہ تھی اس لیے ان میں جذبہ تفاخر پیدا ہوا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اس لیے ابتداء مسلمانوں کو پسپائی ہوئی۔ دشمن نے پہاڑیوں پر تیر انداز مقرر کیے ہوئے تھے۔ مسلمان لشکر جونہی ان پہاڑی دروں میں داخل ہوا تو تیروں کی بوچھاڑ سے بوکھلا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ حضور ﷺ نے حضرت عباس کے ذریعے سے انہیں واپس بلوایا۔ اور دوبارہ لشکر کو منظم کر کے جوابی حملہ کیا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ میں ریت کی مٹی بھر کر دشمن کی طرف پھینکی۔ مسلمانوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔

(ماڈیول 3 – 84: غزوۂ تبوک)

غزوہ تبوک کا پس منظر: فتح مکہ کے بعد مسلمان عرب کی سب سے بڑی غیر متنازع طاقت کے طور پر سامنے آچکے تھے۔ رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جھڑپ جنگ موتہ کی شکل میں ہو چکی تھی جس میں مسلمانوں نے اپنی طاقت کو بغیر کسی بڑے نقصان کے بچا لیا تھا۔ روم چونکہ اس وقت کی ایک سپر پاور تھی اور اب مسلمان بھی عرب میں ایک طاقت کے طور پر سامنے آچکے تھے اس لیے روم کا بادشاہ مسلمانوں کو خطرہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی سرحدوں کو محفوظ بنانے اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے آل غسان کو 40,000 افراد کی مدد بھیجی۔ تجارتی قافلوں کے ذریعے حضور ﷺ کو رومیوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاع مل چکی تھی۔ آپ ﷺ نے دشمن کا رعب قبول کرنے کی بجائے سامنا کرنے کا فیصلہ کیا اور فیصلہ کن معرکے کی تیاری شروع کر دی۔

- پہلے لڑے گئے معرکوں کی نسبت یہ میدان جنگ کافی دور تھا جس کا مدینہ سے فاصلہ 683 کلومیٹر تھا۔ موسم شدید گرم تھا پھل اور فصل بالکل پک چکے تھے ۔جنگی سامان اور جانوروں کی بھی کمی تھی۔
- نبی اکرم ﷺ نے جنگ کی تیاری کا اعلان کیا اور صحابہ کرامؓ کو ایثار کا درس دیا۔ حکم نبوی ﷺ پر صحابہ کرامؓ اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ صدیق نے گھر کا سارا سامان پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے آدھا سامان پیش کیا۔ حضرت عثمانؓ نے تجارتی قافلہ، 900 اونٹ، 100 گھوڑے اور کثیر نقدی فراہم کی۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے 29 کلو چاندی پیش کی۔ حضرت طلحہؓ، عباسؓ، سعد بن عبادہ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
- 30 ہزار کے لشکر کے ساتھ حضور ﷺ نے پیش قدمی شروع کی۔ راستے میں مقامِ حِجر (قوم ثمود کے مسکن) سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو سر جھکا کر گزرنے کی ہدایت کی۔ کیونکہ اس علاقے میں اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔
- مسلمان جب تبوک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیا چنانچہ رومی لشکر خوف زدہ ہو کر تتر بتر ہو گیا اور گردونواح کے علاقوں مثلاً ایلہ وغیرہ کے حاکموں نے جزیہ کے عوض صلح کر لی۔ یوں اسلامی لشکر بغیر جنگ کے فتح یاب ہو کر واپس لوٹا۔

(ماڈیول 4 – 85: خطبہ حجۃ الوداع)

حجۃ الوداع کا پس منظر: مدینہ منورہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کفار مکہ سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا صلح حدیبیہ کے بعد وہ تھم گیا اور پھر فتح مکہ کے بعد عرب کی امن و امان کی صورتحال مزید بہتر ہو گئی۔ اب مسلمانوں کا غلبہ بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔ اس اثناء میں حضور ﷺ نے 10 ھ میں پہلا اور آخری حج ادا کرنے کا ارادہ کیا جس میں کم و بیش 1240000 اصحاب نے آپ ﷺ کی معیت میں شرکت کی۔ تاریخ میں اسے ''حجۃ الوداع'' کے نام سے جانا جاتا ہے اور

اس حج کے موقع پر آپ ﷺ نے جو عظیم الشان اور جامع خطبہ ارشاد فرمایا اسے " خطبہ حجۃ الوداع" کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ خطبہ 9 ذوالحج کے دن ارشاد فرمایا۔

انسانی حقوق کا اولین منشور: خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا اولین منشور ہے جس میں ہر طبقۂ انسانیت کے لئے مکمل راہنمائی موجود ہے۔ یہ حضور ﷺ کی انسانیت کو آخری نصیحت تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! لوگو میری باتیں غور سے سنو، ممکن ہے اس کے بعد تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔ یہ آپ ﷺ کا دنیا سے اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا۔ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے درج ذیل باتوں کی تعلیم دی:

- زمانہ جاہلیت کا خون بہا اور سود کالعدم قرار دیا۔
- آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔ کسی کالے کو کسی گورے پہ کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ بزرگی اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ رنگ، نسل اور ذات پات کے امتیازات کا خاتمہ کر دیا۔
- خواتین کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کی۔ اور خواتین کے ہر رشتے میں حقوق ادا کرنے اور ان سے پیار اور نرمی سے پیش آنے کا حکم دیا۔
- غلاموں کو برابری کا درجہ دیا۔ ان کے ساتھ عزت اور نرمی سے پیش آنے کی تعلیم دی۔ اپنے جیسا کھلانے اور پہنانے کا حکم دیا۔
- اس خطبہ میں آپ ﷺ نے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت بھی واضح کر دی۔ اور ارشاد فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ اگر کوئی دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا ہو گا۔
- اسی موقع پر اللہ تعالی نے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 3 نازل فرما کر دین کی تکمیل کا اعلان فرما دیا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔
- اس موقع پر رسول کریم ﷺ نے انسانی جان کی عزت و تکریم کے بڑے تاکیدی احکامات ارشاد فرمائے۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران خانہ کعبہ کو مخاطب کیا اور اپنے ساتھیوں کو یہ پیغام سنایا کہ اے کعبہ تو بہت عظیم ہے مگر ایک مومن کی جان، مال، عزت و آبرو تجھ سے بڑھ کر ہے۔ الغرض خطبہ حجۃ الوداع انسانیت کے تمام طبقات کے لیے ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

(ماڈیول 5 - 86: سیرت طیبہ سے مستنبط دروس و عبر)

دروس، درس کی جمع ہے جس کا معنی ہے سبق۔ جبکہ عبر، عبرت کی جمع ہے جس کا معنی ہے نصیحت۔ عصر حاضر کے سیرت نگاروں نے سیرت طیبہ سے حاصل ہونیوالے دروس و عبر پر فقہ السیرۃ کے عنوان سے کتب مرتب کی ہیں جو عملی زندگی میں بہت کارآمد ہیں۔

ا۔ **دُرِّ یتیم ہونے میں دروس و حکمتیں:** آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو یتیم تھے۔ سیرت نگاروں کے مطابق اس سے اللہ تعالی کی عظیم رحمت اور شانِ قدرت کا ظہور مقصود تھا کہ اگرچہ بظاہر ناموافق حالات تھے مگر اللہ نے آپ ﷺ کو کامیاب بنا کر دکھا دیا کہ اصل کامیابی اللہ کی مدد و نصرت اور رضا میں ہے۔

۲۔ **حلف الفضول کی روشنی میں امن معاہدوں کی اہمیت:** اس معاہدے میں حضور ﷺ کی شرکت سے درج ذیل دروس و عبر ملتے ہیں:

ا۔ عدل و انصاف کی بالادستی میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ ۲۔ اچھے کاموں کے لیے معاہدہ کرنا اور حلف اٹھانا رسول کریم ﷺ کی سنت ہے۔

۳۔ **تجارت بطور پیشہ اپنانے میں حکمت:** آپ ﷺ نے تجارت بطور پیشہ اختیار کی۔ اس میں درج ذیل حکمتیں پوشیدہ تھیں۔

ا۔ کسبِ معاش کیلیے تجارت اچھا پیشہ ہے۔ ۲۔ داعیانِ دین کی سماجی و معاشی حرکیات پر بھی گہری نظر ہونی چاہیے۔

۴۔ **نکاحِ اول میں پوشیدہ دروس و حکمتیں:** آپ ﷺ کا پہلا نکاح چالیس سال کی بیوہ خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے ہوا جس سے درج ذیل حکمتیں عیاں ہیں:

ا۔ عظیم لوگوں کی زندگیوں کو کامیاب بنانے والی عورتوں کیلیے حضرت خدیجہؓ کی زندگی عمدہ مثال ہے۔

۲۔ نکاح سے آپ ﷺ کا مقصد محض جسمانی لذتوں کا حصول نہیں بلکہ آپ کے پیشِ نظر اُن کی خاندانی عظمت اور پاکدامنی تھی۔

مکی زندگی کا عمومی پیغام: ا۔ دعوت و تبلیغ میں تدریج کی حکمت کارگر ثابت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے قریبی دوستوں، گھر والوں اور رشتہ داروں سے دعوت کا آغاز کیا اس کے بعد اس دعوت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

۲۔ آپ ﷺ نے صبر کرنے کی تلقین کی اور رد باطل کے مقابلے کے لیے مناسب وقت کے انتظار کا درس دیا۔ قبل از وقت کسی بھی معاملے میں وسائل وصلاحیتوں کے ضیاع سے بچنے کی تعلیم دی۔ مظلومیت میں بھی ایک طاقت ہوتی ہے۔ معاشرے کا غیر جانبدار طبقہ دیکھتا ہے کہ دعوت دین کے علمبردار ظلم وستم کے آگے جب سیسہ پلائی دیوار بن گئے ہیں تو اس دعوت میں کوئی ایسی خاص بات ہے جو انہیں تقویت پہنچا رہی ہے اس طرح مظلومیت کا ایک مثبت اثر مرتب ہوتا ہے۔

۵۔ **مدنی زندگی کا عمومی پیغام:** ا۔ مدنی زندگی کے جائزہ سے سبق ملتا ہے کہ اسلام محض مذہبی رسوم کا نام نہیں ہے بلکہ ایک مکمل اور جامع دین ہے۔

۲۔ مدنی زندگی سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ اسلام محض توکل و بے عملی کا نام نہیں بلکہ ایک جہد مسلسل کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑنے کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے ہر آنیوالے خطرے کو پہلے سے بھانپا اور پھر اس سے نمٹنے کے اقدامات کیے۔ یہ ہمارے اندر جذبہ عمل پیدا کرنے کے لیے سیرت نبوی ﷺ کا پیغام ہے۔

لیکچر نمبر20: تاریخ اسلام – I

(ماڈیول1 - 87: خلافتِ راشدہ کا تعارف اور خصوصیات)

خلافتِ راشدہ کا مفہوم و تعارف: خلافت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ نیابت اور خلیفہ نائب کے ہیں اصطلاح میں خلافت سے مراد وہ سیاسی نظام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کو نافذ کیا جائے اور اس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ اسی طرح راشدہ کا لفظ "رشد" سے نکلا ہے جس کے معنی ہے "ہدایت "اور راشدہ کے معنی "ہدایت یافتہ" ہے یعنی خلافت راشدہ وہ عرصہ خلافت ہے جس میں قرآن وسنت پر مکمل عمل کیا جاتا تھا۔ خلافتِ راشدہ سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد چار خلفاء، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنھم کا 30 سالہ عرصہ ٔخلافت ہے۔ خلافتِ راشدہ کا آغاز 11 ہجری میں ہوا اور یہ دورِ خلافت 40 ہجری میں اختتام پذیر ہوا۔

خلافتِ راشدہ کی اہمیت: فقہائے کرام نے نظام خلافت کے قیام اور خلیفہ کے تقرر کو امت کے فرائض وواجبات میں شمار کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے دو دلائل: " (1) نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے سب سے پہلے خلیفہ کا انتخاب کیا تھا(2) قرآن کریم کے بہت سے صریح احکام حکومت کے قیام پر موقوف ہیں مثلاً حدود و قصاص کا نفاذ، امن و انصاف کا قیام، بیت المال اور زکوٰۃ کا نظام، جہاد کا تسلسل اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اجتماعی نظام حکومتی سسٹم کا تقاضا کرتا ہے۔"

خلافتِ راشدہ کی نمایاں خصوصیات: قرآن و سنت کی مکمل پابندی: خلافتِ راشدہ میں تمام معاملات، اصلاحات اور فیصلوں میں دین اسلام کی تعلیمات کو سختی سے ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

نظام شوریٰ: خلافتِ راشدہ میں شورائی نظام نافذ تھا اسلام کے احکام کے مطابق مجلس شوریٰ سے مشاورت کے بعد فیصلے صادر کیے جاتے تھے۔

حکام و عمال سے باز پرس: خلافتِ راشدہ کے دور میں جو عمّال اور گورنر مقرر کیے جاتے تھے وہ سب کے سب قانونی مساوات کے تحت جوابدہ تھے کوئی بھی غیر قانونی کام پر ان سے باز پرس کی جاتی تھی۔

مکمل فلاحی ریاست: خلافتِ راشدہ کے دور میں ہونے والے تمام اقدامات، اصلاحات اور فیصلوں میں عوام کی فلاح و بہبود اور خوشحالی اور ترقی کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا۔

عدل وانصاف: خلفائے راشدین عدل وانصاف کے دور میں امیر، غریب، کالا، گورا، خلیفہ اور عام آدمی سب کے لیے یکساں قانون تھا۔

عوام کے حقوق کا تحفظ: خلافت راشدہ میں عوام کے حقوق کی سختی سے حفاظت کی جاتی تھی اور کوئی بھی شخص کسی کی حق تلفی نہیں کر سکتا تھا غیر مسلموں کو بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق تمام انسانی اور شہری حقوق حاصل تھے اور مذہبی آزادی بھی حاصل تھی۔

(ماڈیول2 - 88: خلیفہ ٔراشد اول: حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حیات وخدمات)

تعارف: آپؓ کا نام "عبد اللہ "، کنیت "ابو بکر"، لقب " صدیق (معراج کی فوراً تصدیق کی)، عتیق (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آپؓ اللہ کی طرف سے آگ سے آزاد کردہ ہیں۔)" اور قبیلہ "بنی تیم " تھا آپؓ کی ولادت عام الفیل سے دو سال اور چند مہینے بعد پیدا ہوئے اور وصال جمادی الآخر 13 ہجری، منگل کی رات کو مسلسل بخار کے سبب وفات پائی اور نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن ہوئے وفات کے وقت عمر 63 سال تھی۔

ذاتی خصائص و امتیازات: حضرت ابو بکر صدیقؓ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے آپؓ قریش کے معززین اور شرفاء میں سے تھے، قبول اسلام سے قبل بھی بت پرستی اور شراب نوشی جیسی عام عادات سے محفوظ رہے اور علم تاریخ اور علم انساب العرب کے سب سے بڑے ماہر تھے مکہ کے ایک سردار (ابن

دغنہ) نے ایک موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی درج ذیل خوبیاں بیان کیں: ''آپ محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں، لوگوں کا بوجھ یعنی قرض اپنے سر لیتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

قبول اسلام کے بعد کی زندگی: قبول اسلام کے بعد آپؓ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے سے کثیر اکبار صحابہؓ ایمان لائے بہت سے مسلمان ہونے والے غلاموں (حضرت بلال بن رباح، عامر بن فہیرہ، زنیرہ اور نہدیہؓم) کو خرید کر آزاد کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے سفر کا سارا انتظام آپؓ نے کیا، مسجد نبوی کی جگہ کی قیمت ادا کی، تمام غزوات میں شرکت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر اپنا تمام مال اللہ کے راستے میں دے دیا، 9 ہجری میں مسلمانوں کے پہلے باقاعدہ حج میں امیر حج مقرر ہوئے' نبی اکرم ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کے مرض وصال کے دوران 17 نمازوں کی امامت کروائی اور آپ ﷺ کے وصال پر ملال کے موقع پر صحابہ کرامؓ کو تسلی دی اور معاملات کو نہایت دوراندیشی اور ذہانت سے سنبھالا۔

فضائل ومناقب: آپؓ کا شمار عشرہ مبشرہ صحابہ میں ہوتا ہے آپؓ کے والدین، اولاد اور اولادوں کی اولاد صحابی تھے نبی اکرم ﷺ کی زبانِ برحق سے دنیا ہی میں آپ کو جنت کی بشارت دی اور آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں آپؓ کو اپنا سب سے زیادہ محبوب قرار دیا آپؓ کے مقام کو واضح کرتے ہوئے فرمایا" میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دنیا میں چکا دیا ہے سوائے ابو بکرؓ کے۔" ایک اور مقام پر فرمایا" کہ ابو بکرؓ وہ شخص ہیں جنہیں روزِ قیامت جنت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا۔"

(ماڈیول 3 - 89: خلافتِ صدیقی کا تعارف و خصوصیات)

نبی اکرم ﷺ کی وصال کے بعد امت کو مجتمع رکھنے کے لیے ایک امیر کا انتخاب نہایت ضروری تھا چنانچہ صحابہ کرامؓم مدینہ منورہ کے ایک مقام ''سقیفہ بنی ساعدہ'' میں مشاورت کے لیے جمع ہوئے اور بالآخر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو متفقہ طور پر مسلمانوں کا پہلا امیر اور خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بطور خلیفہ اول تقرری کی بنیادی وجوہات: (1) نبی اکرم ﷺ کی نظر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اہمیت اور حیثیت سر فہرست تھی (2) آپؓ نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں آپ ﷺ کی طرف سے دو اہم اور بنیادی عبادات، حج اور نماز کے امیر اور امام کا منصب سنبھال چکے تھے جو کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد آپؓ کی حیثیت کو نمایاں کرتے تھے (3) اس کے علاوہ آپؓ لوگوں کے درمیان بھی اپنے علم و فضل اور بزرگی و شرف کی وجہ سے نہایت ممتاز مقام رکھتے تھے (4) اور آپؓ کی اسلام کے لیے عمومی خدمات بھی نمایاں تھیں۔

دورِ خلافت کے اہم اقدامات: حضرت ابو بکر صدیقؓ مشکل حالات کے باوجود نبی اکرم ﷺ کے تیار کردہ لشکر کو آپ ﷺ ہی کے مقرر کردہ سپہ سالار حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا، جھوٹے مدعیان نبوت (مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد اور سجاح بنت الحارث) کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ فرمائے، زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والے قبائل اور افراد کے خلاف زبردست اور کامیاب مہم جوئی کی، حضرت عمر فاروق کے مشورے پر قرآن مجید کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا گیا اور ملک سے باہر جہادی مہمات کا آغاز فرمایا جس کے نتیجے میں عراق و شام اور مکران کے کئی علاقے فتح ہوئے۔

خلافتِ صدیقی کی اہم خصوصیات: عہدِ صدیقیؓ میں نظام شوریٰ پر عمل کیا جاتا تھا۔ تمام اہم معاملات میں کبار و اہل الرائے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جاتا تھا، نظم و نسق کی بہتری اور آسانی کے لیے سلطنت کو متعدد صوبوں (مدینہ، مکہ، طائف، صنعاء، نجران، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل) میں تقسیم کیا گیا لوگوں کی سہولت اور معاملاتِ دین کی تفہیم و تعلیم کے لیے ہر صوبہ میں محکمہ افتاء کا قیام عمل میں لایا گیا اور ان میں مفتیان کو مقرر کیا گیا اس کے علاوہ آپؓ نے اسلامی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق غیر مسلموں کے بارے میں نہایت محتاط اور نرم رویہ اپنایا ان کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیے گئے۔

لیکچر نمبر 21: تاریخ اسلام – II

(ماڈیول 1- 90: خلیفہ راشد دوم: حضرت عمر فاروقؓ کی حیات وخدمات)

تعارف: آپؓ کا نام "عمر"، کنیت "ابو حفص"، لقب "فاروق" اور قبیلہ "بنو عدی" تھا آپؓ کی ولادت عام الفیل سے 13 سال بعد ہوئی اور ابو لولو فیروز نامی ایک غلام نے نماز فجر کے دوران خنجر سے آپؓ کو شدید زخمی کر دیا تین روز بعد 1 محرم 24 ہجری بروز ہفتہ آپؓ نے شہادت پائی۔

ذاتی خصائص و امتیازات: حضرت عمرؓ گھڑ سواری، پہلوانی اور فن سپہ گری میں مہارت رکھتے تھے، بہترین خطیب اور زبردست قوت فیصلہ رکھتے تھے اس لیے زمانہ جاہلیت میں قریش کے لوگ اپنے تنازعات کے حل کے لیے آپؓ کے پاس آتے تھے، آپؓ کا شمار قریش کے چند پڑھے و لکھے لوگوں میں ہوتا تھا اور آپؓ اس قدر رعب و دبدبہ والی شخصیت کے مالک تھے کہ آپؓ کے قبول اسلام کے بعد مسلمانوں نے حرم کعبہ میں اعلانیہ نماز ادا کرنا شروع کی اس سے قبل کفار کے نقصان پہنچانے کے ڈر سے مسلمان چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے۔

قبول اسلام کے بعد کی زندگی: نبوت کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر میں مسلمان ہوئے اپنی بہن کے گھر میں سورۃ طہٰ پڑھ کر دل میں اسلام کی حقانیت واضح ہوئی تو دار ارقم میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، دوسرے مسلمانوں کے برعکس آپؓ نے اعلانیہ ہجرت فرمائی کسی کو راستہ روکنے کی جرات نہ ہوئی، آپؓ نے تمام غزوات میں بھرپور شرکت کی اور غزوہ تبوک کے موقع پر اپنا آدھا مال و اسباب اللہ کی راہ میں دے دیا آپؓ کی نبی کریم ﷺ سے محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا آپ ﷺ کے وصال کے موقع پر اس قدر پریشان ہوئے کہ مسجد میں تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص کہے گا کہ آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

فضائل و مناقب: حضرت عمر فاروقؓ کے فضائل کے باب میں یہ نمایاں فضیلت ہے کہ آپؓ کے قبول اسلام کے لیے نبی اکرم ﷺ نے خصوصی طور پر دعا فرمائی (اے اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام (ابو جہل) کے قبول اسلام سے غلبہ عطا فرما۔) آپؓ کے اسلام لانے کے بعد حضرت جبریل نے نبی اکرم ﷺ کو بتایا کہ عمرؓ کے قبول اسلام سے اہل آسمان بھی بہت خوش ہوئے ہیں آپؓ ایمان و تقویٰ کے اس مقام پر فائز تھے کہ جس راستے پر چلتے تھے شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا تھا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا" اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر شیطان تمہیں کسی راستے پر چلتا دیکھتا ہے تو اسے چھوڑ کر وہ کسی دوسرے راستے پر چل پڑتا ہے" ایک اور موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے جو امم گزری ہیں ان میں محدث ہوا کرتے تھے اور میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے" (محدث وہ ہے جس کی طرف اللہ کی طرف سے الہام کیا جائے، ملاء اعلیٰ سے اس کے دل میں القاء کیا جائے اور بغیر کسی ارادہ و قصد کے جس کی زبان پر حق جاری کر دیا جائے یعنی اس کی زبان سے حق بات ہی نکلے) ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی" کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق رکھ دیا ہے کہ وہ حق ہی بولتے ہیں" اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ " یہ شخص (عمرؓ) جب تک تمہارے درمیان ہے اس وقت تک فتنوں کا دروازہ بند رہے گا۔"

اولیاتِ عمر: حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں بہت سے اچھے اور نیک کاموں کی ابتداء کی جن کو اولیات عمر رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے۔

1۔ حضرت علیؓ کے مشورے سے سن ہجری کا آغاز کیا۔ 2۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا۔ 3۔ باقاعدہ بیت المال قائم کیا۔

4۔ فوج کا محکمہ قائم کیا اور رضاکار مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں۔ 5۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط وغیرہ نئے شہر آباد کیے۔ 6۔ مردم شماری کرائی۔

7۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مسافروں کے لیے سرائیں قائم کیں۔ 8۔ نئی نہریں کھدوائیں اور آبپاشی کا بندوبست کیا۔

9۔ امام اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ 10۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم کے لیے دینی مدارس قائم کیے اور ان میں تنخواہ دار معلمین مقرر کیے۔

موافقاتِ عمر: قرآن مجید کے متعدد احکام اور آیات حضرت عمر فاروقؓ کی موافقت میں نازل ہوئے انہیں "موافقاتِ عمر" کہا جاتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:
1۔ نبی اکرم ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنے والے شخص کو قتل کرنا۔ 2۔ مقامِ ابراہیم پر نماز ادا کرنے کا حکم۔ 3۔ مسلمان عورتوں کے پردے کا حکم
4۔ شراب کو حرام قرار دینا۔ 5۔ بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کی رائے۔ 6۔ رمضان المبارک کی راتوں میں ازدواجی تعلقات کی اجازت
7۔ واقعہ افک کے موقع پر نبی اکرم ﷺ سے حضرت عائشہؓ کی پاکیزگی اور براءت کا اظہار۔ 8۔ گھروں میں داخلے سے پہلے اجازت لینے کا حکم
حضرت کعبؓ الاحبار (جو تورات وانجیل کے بڑے عالم تھے) نے ایک مرتبہ کہا کہ آسمان کا بادشاہ زمین کے بادشاہ پر افسوس کرتا ہے تو حضرت عمرؓ نے جواباً فرمایا "مگر اس بادشاہ پر نہیں جو اپنے نفس پر قابو رکھے۔" تو کعب الاحبار نے کہا کہ اللہ کی قسم تورات میں یہی الفاظ لکھے ہیں۔

(ماڈیول 2 - 91: خلافتِ فاروقی: تعارف وخصوصیات)

خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ مقرر ہوئے آپؓ نے خلافت کا منصب سنبھالتے ہوئے خطبہ ارشاد فرمایا کہ "اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر دے، میں کمزور ہوں مجھے قوت دے دے، میں بخیل ہوں مجھے سخی بنادے" پھر فرمایا: "لوگو! اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں اور میرے دونوں رفقاء کے بعد تمہارے ذریعے مجھے آزمایا ہے۔ اللہ کی قسم! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے پیش ہو گا میں خود اس کو حل کروں گا اور جو معاملہ مجھ سے دور ہو گا اس کے لیے قوی وامین حضرات کو مقرر کروں گا۔ اللہ کی قسم! اگر لوگوں نے مجھ سے اچھا برتاؤ کیا تو میں بھی اچھا برتاؤ کروں گا۔ اور اگر لوگوں نے میرے ساتھ برا برتاؤ کیا تو میں انہیں سخت سزا دوں گا۔"

دورِ خلافت کے اہم اقدامات: آپؓ کے دور میں بہت سے علاقے (دمشق، حمص، بعلبک، بصرہ، ایلہ، اردن، طبریہ، مدائن، تکریت، حلب، انطاکیہ، نیشاپور، حلوان، سمساط، حران، نصیبی، موصل، قیساریہ، مصر، اسکندریہ وغیرہ) فتح ہوئے، محکمہ مال، پولیس، جیل خانہ جات اور عدلیہ کے نظام قائم ہوئے، زمینوں کی پیمائش کروائی گئی، ڈاک کا نظام قائم ہوا، مسجد نبوی اور حرم کعبہ کی توسیع کروائی گئی، مقام ابراہیم، جو کہ بیت اللہ سے متصل تھا اس کو وہاں سے ذرا فاصلے پر ہٹوایا تاکہ طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو سہولت رہے، لوگوں میں ظائف کی تقسیم کے لیے باقاعدہ فہرستیں تیار کی گئی اور لاوارث وبے سہارا بچوں کے لیے وظیفے مقرر کیے گئے۔

خلافتِ فاروقی کی اہم خصوصیات: حضرت عمر فاروقؓ کے دور کے نمایاں خصائص یہ تھے کہ تمام معاملات میں نظام شوریٰ پر عمل کیا جاتا تھا، کبار اور اہل الرائے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جاتا تھا ان میں سے اصحاب بدر کی رائے کو خاص اہمیت دی جاتی تھی اور بزرگوں کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو بھی مجلس شوری میں شامل کیا جاتا تاکہ ان کی تربیت ہو سکے اور مستقبل میں وہ اس ذمہ داری کو اٹھانے کے اہل ہو سکیں اس کے علاوہ اس بات کا بھی خصوصی اہتمام ہوتا تھا کہ مجلس مشاورت میں شریک تمام لوگ حافظ قرآن ہوں۔

- آپؓ کے دور میں گورنروں کے لیے یہ شرط تھی کہ "وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں، اچھا کھانا نہ کھائیں، باریک کپڑا نہ پہنیں، ضرورت مندوں کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھیں اور ہر گورنر کی تقرری کے وقت اس کے اثاثوں کی تفصیلات لکھوا کر بیت المال میں محفوظ کر لیا کرتے تھے" عہدِ فاروقی میں رعایا کو کافی آزادی حاصل تھی انہیں صبح وشام کسی بھی وقت سفر کرنے، رہائش گاہ کی حرمت اور جائیداد کی ملکیت اور اظہار رائے کی آزادی تھی، غیر مسلموں کو تمام انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ مکمل مذہبی آزادی ت حاصل تھی، لوگوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا تھا آپؓ راتوں کو خود گشت کر کے لوگوں کی خبر گیری اور مدد کرتے، آپؓ کہا کرتے تھے کہ "میری رعایا کو پہنچنے والے ذرا سے نقصان یا تکلیف کا بھی اللہ کے ہاں میں ذمہ دار ہوں"

لیکچر نمبر22: تاریخ اسلام – III

(ماڈیول1- 92: خلیفہ ٔراشد سوم: حضرت عثمان غنیؓ کی حیات وخدمات)

تعارف: آپؓ کا نام "عثمان"، کنیت "ابو عبد اللہ"، لقب "ذوالنورین (نبی اکرم ﷺ کی دو بیٹیوں سے شادی ہوئی)، غنی (کئی مواقع پر اللہ کی راہ میں بہت سامال خرچ کیا)" اور قبیلہ "بنو امیہ" تھا آپؓ کی ولادت عام الفیل سے 6 سال بعد پیدا ہوئی اور 18 ذی الحج 35 ہجری کو شہید ہوئے۔

ذاتی خصائص و امتیازات: حضرت عثمانؓ غنی وہ واحد شخص ہیں جن کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئیں، قبول اسلام سے قبل بھی آپؓ اخلاق حمیدہ کا پیکر تھے۔ عرب کی خواتین اس زمانے میں اپنے بچوں کو ان الفاظ میں لوری سناتی تھیں کہ "رحمن کی قسم میں تجھ سے اسی قدر محبت کرتی ہوں جس قدر قریش عثمان سے محبت کرتے ہیں۔" نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کی ظاہری شکل وصورت کے حوالے سے یوں فرمایا کہ "میں عثمانؓ کو اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ جانتا ہوں" اور یہ بھی ارشاد فرمایا: "آپؓ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد پہلے شخص ہیں جنھوں نے اہل وعیال کے ہمراہ اللہ کی راہ میں ہجرت کی" اور حدیث میں آپؓ کی صفتِ حیاء کے حوالے سے یہ روایت ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کی آمد پر اپنی پنڈلی ڈھانپ لی اور فرمایا کہ "میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔"

قبول اسلام کے بعد کی زندگی: حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کے بعد مردوں میں چوتھے نمبر پر حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کیا، قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر 34 سال تھی آپؓ نے اللہ کی راہ میں دو دفعہ ہجرت کی، ایک دفعہ حبشہ کی طرف اور دوسری دفعہ مدینہ کی طرف، غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، غزوہ بدر میں اپنی زوجہ محترمہ بنتِ رسول ﷺ حضرت رقیہؓ کی شدید بیماری وجہ سے شریک نہ ہو سکے، بیعتِ رضوان کا سبب آپؓ کی ذات بنی اور اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے دوسرے ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بھی بیعت کی، آپؓ نے غزوہ تبوک کے موقع پر اللہ کی راہ میں اس قدر مال خرچ کیا کہ نبی اکرم ﷺ بہت زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا کہ آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی عمل بھی اسے ضرر نہیں پہنچائے گا، آپؓ حضرت عمرؓ فاروق کے دور خلافت میں ایک اہم ترین وزیر اور مشیر کا مقام رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اہم معاملات میں زیادہ تر حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے، لوگوں میں مال تقسیم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے جو فہرستیں تیار کروائیں اس کا مشورہ حضرت عثمانؓ ہی نے دیا تھا اور ہجری سال کا آغاز ماہ محرم سے کرنے کا مشورہ بھی حضرت عمرؓ کو حضرت عثمانؓ ہی نے دیا تھا۔

فضائل ومناقب: حضرت عثمانؓ نے دنیا میں رہتے ہوئے دو مرتبہ جنت خریدی، ایک مرتبہ رومہ کا کنواں خرید کر وقف کیا جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے عام کرے تو اس کے لیے جنت ہے، دوسری مرتبہ مسجد نبوی کی توسیع کے لیے ایک قطعہ زمین خرید کر وقف کیا جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ "جو فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں اضافہ کر دے تو اسے جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی، آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کی زبان حق سے دنیا ہی میں جنت کی بشارت ملی، نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کے حوالے سے فرمایا کہ میرے اصحاب میں مجھ سے عادت میں بہت مشابہ عثمانؓ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت اور فتنے کے دوران ان کے ہدایت پر ہونے کی خبر دی تھی۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایک فتنے کا ذکر فرمایا اتنے میں حضرت عثمانؓ وہاں سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس دن یہ شخص مظلومانہ قتل ہو گا اور ایک اور مقام پر فرمایا: اس دن یہ شخص ہدایت پر ہو گا۔"

(ماڈیول2- 93: حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت: تعارف و خصوصیات)

4 محرم 24 ہجری کو حضرت عمر فاروقؓ کی تدفین کے تیسرے روز صحابہ کرامؓ نے باہم مشاورت کے ذریعے حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ ثالث مقرر کر کے نماز فجر کے بعد ان کی بیعت کی آپؓ کے عہد میں متعدد علاقے (مثلا رے، ملک روم کا اکثر حصہ، سابور، جرجان، اصطخر، قساء، جور، خراسان، طوس، سرخس، مرو، بیہق) فتح ہوئے 26 ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد حرام اور 29 ہجری کو مسجد نبوی کی توسیع کروائی اور 26 ہجری کو ہی اہل مکہ کی درخواست پر پرانی بندرگاہ شعیبہ کی جگہ جدہ کی نئی بندرگاہ تعمیر کی گئی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں مسجد ہی میں فیصلے کیے جاتے تھے اس لیے الگ سے کوئی عمارت مقرر نہیں تھی آپؓ نے اس کے الگ عمارت دارالقضاء تعمیر کروائی۔

دورِ خلافت کے اہم اقدامات: آپؓ کے دور خلافت کے نمایاں اقدامات یہ تھے کہ تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کی ایک قراءت پر جمع کیا گیا، مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، سرکاری جانوروں کے لیے چراگاہیں بنائی گئی، لوگوں کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود نکالیں اور ادا کریں، پولیس کے سربراہ کا تقرر کیا گیا، زمینوں کی شخصی ملکیت کے لیے قوانین بنائے گئے اور عہدِ عثمانیؓ میں ہی اسلامی فوج کا پہلا بحری بیڑا تیار ہوا اور اس کے ذریعے قبرص کو فتح کیا گیا۔

خلافتِ عثمانی کی اہم خصوصیات: پچھلے خلفاء کی طرح آپؓ کے دور میں بھی نظام شوریٰ پر عمل کیا جاتا تھا تمام اہم معاملات میں کبار اور اہل الرائے صحابہ کرامؓ اور خصوصاً اصحاب بدر سے مشاورت کی جاتی تھی نظامِ شوریٰ، عدل و انصاف کا التزام، حریت رائے کا احترام اور احتساب کو لازم و ملزوم تھے آپؓ کے دور میں چونکہ مال و دولت کی فراوانی تھی لہٰذا بعض مؤرخین کے مطابق عہد عثمانی نسبتاً زیادہ خوش حالی اور آسائش کا دور تھا۔

(ماڈیول3- 94: خلیفہ راشد چہارم: حضرت علی المرتضیٰ کی حیات و خدمات)

تعارف: آپؓ کا نام "علی، اسد (والدہ نے پیدائش کے وقت یہ نام رکھا تھا)" کنیت "ابو تراب، ابو الحسن"، لقب "امیر المومنین، حیدر کرار، مرتضی" اور قبیلہ "بنو ہاشم" تھا نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے 10 برس پہلے آپؓ کی ولادت ہوئی اور 40 ہجری کے ماہ رمضان میں شہید ہوئے۔

ذاتی خصائص و امتیازات: حضرت علیؓ نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور نبی اکرم ﷺ نے چچا کا بوجھ بانٹنے کے لیے بچپن میں ہی آپؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا اس لیے آپؓ بچپن سے براہ راست نبی اکرم ﷺ کی تربیت میں رہے جس کی وجہ سے آپؓ کو "پرُوردَہِ آغوشِ رسالت مآب ﷺ" کہا جاتا ہے، آپؓ نہایت دلیر اور قوی تھے کفار کے کئی بہادروں خصوصاً غزوہ خیبر میں مرحب اور غزوہ خندق میں عمرَو بن عبدِ وُدّ کو واصل جہنم کیا، غزوہ بدر میں کم و بیش مرنے والے نصف کافر، آپؓ کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوئے۔

- اس کے علاوہ حضرت آپؓ عربی قواعد کے ماہر تھے آپؓ ہی نے سب سے پہلے عربی قواعد کو مرتب کروایا تاکہ لوگوں کو عربی عبارات اور بالخصوص قرآن مجید کو سمجھنے میں آسانی ہو، نبی مکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو شہادت کی پہلے ہی خبر دی تھی اور فرمایا تھا" کہ دو شخص سب سے زیادہ بدبخت ہیں ایک وہ جس نے قوم ثمود کی اونٹنی کو ذبح کیا اور دوسرا وہ جو تمہارے سر پر تلوار مارے گا اور تمہاری داڑھی خون سے تربتر ہو جائے گی۔"

قبول اسلام کے بعد کی زندگی: آپؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے قبول اسلام کے وقت آپؓ کی عمر 10 سال تھی ہجرت کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کو اپنے بستر پر اپنی چادر اوڑھ کر آرام کرنے اور لوگوں کی امانتیں واپس پہنچانے کے لیے منتخب فرمایا، صلح حدیبیہ کا صلح نامہ آپؓ ہی نے تحریر کیا، فتح مکہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کے حکم سے آپؓ نے قبیلہ بنی طے کے بت "قلس" کو توڑا، غزوہ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو مدینہ منورہ میں اپنے اہل و عیال کی نگرانی کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا اور کہا" تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کی تھی" حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے 100 اونٹوں میں سے 63 خود ذبح کیے اور آپؓ کو باقی اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا۔

فضائل ومناقب: نبی اکرم ﷺ کی زبان حق سے دنیا ہی میں آپؓ کو جنت کی بشارت ملی، آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کا داماد ہونے کا شرف حاصل ہے جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ الزہراءؓ، آپؓ کے عقد میں تھیں۔ آپؓ ہی کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس کا میں محبوب ہوں اس کے علیؓ بھی محبوب ہیں۔" آپؓ کی محبت حدیث میں ایمان کی کسوٹی قرار دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "کہ مومن تجھ سے محبت اور منافق تجھ سے بغض رکھے گا۔"

حضرت علی مرتضیٰ کو علمی مقام: نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کے علمی مقام کو واضح کرتے ہوئے فرمایا "میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں" حضرت عمرؓ اس پیچیدہ مسئلہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے جسے حل کرنے کے لیے ابو الحسن علی ابن ابی طالب موجود نہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جب زنا کے معاملے میں حاملہ عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو حضرت علیؓ نے منع کیا اور فرمایا "پیٹ کے بچے کا کیا گناہ ہے؟" جس پر حضرت عمرؓ نے اس کو سنگسار نہیں کیا اور فرمایا "لولا علیؓ لھلک عمرؓ" اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

فضائل ومناقب: نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کے سینے پر ہاتھ مار کر ان کے دل میں روشنی اور زبان میں استقلال کے لیے دعا کی۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد مجھے معاملات طے کرنے میں کبھی شک و شبہ نہیں ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت آپؓ کے بارے میں فرمایا کہ "یہ امت کے سب سے بڑے قاضی ہیں"

(ماڈیول4-95: حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت اور اس کی خصوصیات)

19 ذی الحج 35 ہجری کو صبح کے وقت مسجد میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی بطور خلیفہ چہارم بیعت ہوئی، 656 سے 661ء چار سال آٹھ مہینہ نو دن آپ نے امور خلافت کو سر انجام دیا، منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد آپؓ نے خطبۂ خلافت ارشاد فرمایا جس میں لوگوں کو خیر کو اپنانے اور شر کو چھوڑنے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے، حرام و حلال کا خیال رکھنے اور ہر معاملے میں اخروی انجام کو مد نظر رکھنے کی نصیحت کی، بعد ازاں آپؓ نے گورنروں کو خط لکھے اور انھیں حکومتی معاملات، اخلاق و آداب، رعایا کے ساتھ رویے کے حوالے سے نصیحتیں کیں، شہادتِ عثمانؓ غنی کے بعد آپؓ کا دورِ خلافت بد قسمتی سے اندرونی خلفشار کا شکار رہا جس کی وجہ سے آپؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کی آپس میں جنگیں ہوئی جن میں 36 ہجری میں جنگ جمل، 37 ہجری میں جنگ صفین اور 38 ہجری میں جنگ نہروان لڑی گئیں، آپؓ نے انہی اندرونی خلفشار کی وجی سے مرکزِ خلافت کی مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کیا۔

- حضرت علیؓ نے مملکت مختلف صوبوں اور ریاستوں (مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بحرین و عمان، یمن، شام، جزیرہ، بصری، کوفہ، مصر، فارس، خراسان، آذربائیجان) میں تقسیم کیا اور ان تمام علاقوں میں ایسے لوگوں کو قاضی مقرر کیا گیا جو سب سے زیادہ معزز ہو اور جن کے فیصلے لوگوں کے لیے قابل قبول ہوں ان میں عبد اللہ بن عباسؓ، شریح بن حارث، ابو موسیٰ اشعری، عبید اللہ بن مسعود، عثمان بن حنیف، قیس بن سعد، عمارہ بن شہاب، قثم بن عباس، جعدہ بن ہبیرہ، خالد بن قبرہ یربوعی، ابو الاسود الدولی، سعید بن نمران ہمدانی، عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، عبیدہ السلمانی، محمد بن یزید بن خلیدہ الشیبانی وغیرہ شامل تھے۔

دورِ خلافت کے اہم اقدامات: حضرت علیؓ کے دور میں بازاروں کی اصلاح کا نظام قائم کیا گیا اس نظام کے تحت بازاروں میں لوگوں کے باہمی تعلقات اور خرید و فروخت کے معاملات کو شریعت اسلامی کے احکام کا پابند بنایا جاتا تھا، آپؓ خود بازاروں کا دورہ کر کے لوگوں کو نصیحت فرماتے اور ہدایات دیتے، انہوں نے ایک قید خانہ محبس" تیار کروایا اور قیدیوں کے لیے لباس اور کھانے پینے کا حساب مقرر کیا، پولیس انسپکٹر مقرر کیے، صوبوں کو خود مختاری دی گئی، عمال اور گورنر اپنے اپنے زیر انتظام علاقے میں خراج کی وصولی، بیت المال یا خراج کی رقم سے فلاح و بہبود کے منصوبے مکمل کرنے جیسے معاملات میں با اختیار تھے علاوہ ازیں گورنروں کو اپنے وزراء اور مشیروں کے انتخاب اور سرکاری ملازمین کی تقرری، فوج کی تشکیل حتیٰ کہ خارجہ پالیسی کی تشکیل کا بھی اختیار حاصل تھا۔

خلافتِ علوی کی اہم خصوصیات: آپؓ کے دور میں سابقہ خلفائے راشدین کی طرح نظام شوریٰ پر عمل کیا جاتا تھا تمام اہم معاملات میں کبار اور اہل الرائے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جاتا تھا، اہل بدر صحابہ کرامؓ کی رائے کو خاص اہمیت دی جاتی تھی، آپؓ کی خلافت میں قرآن مجید، سنت نبوی ﷺ اور شیخین (حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ) کی اقتداء کو بنیادی مآخذ کی حیثیت حاصل تھی، آپؓ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا خصوصی اہتمام کیا، فتنوں اور فسادات کے باوجود عوام الناس کی شخصی آزادی برقرار رکھی گئی اس کے علاوہ آپؓ نے گورنروں اور عمّال کی نگرانی کے لیے مخبر مقرر کیے تاکہ ان کی کارکردگی سے واقف رہ سکیں، مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں شرعی احکام کی تفصیلات مثلاً مقتولین کا درجہ، فریقین کے مال و اسباب اور قیدیوں کے احکام آپؓ کے دورِ خلافت اور سیرت سے ہی اُمت کو ملے۔

لیکچر نمبر 23: اسلامی تہذیب وثقافت – I

(ماڈیول 1- 96: اسلامی تہذیب وثقافت کا تعارف اور ارتقا)

تہذیب کے لغوی معنی: تہذیب عربی لفظ ھذب سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معانی شاخ تراشی کرنا، کانٹ چھانٹ کرنا، درست کرنا، اصلاح کرنا، خالص کرنا نظر ثانی کرنا وغیرہ ہیں۔

تہذیب کا اصطلاحی معنی: شیخ محمد اقبال لکھتے ہیں: '' ہر قوم وملت کی زندگی کا وہ ظاہری نقشہ، ہیت یا خدوخال جو اسے دیگر اقوام سے ممتاز کرتے ہیں اس کی تہذیب کہلاتے ہیں۔"

ہر قوم کی اپنی تہذیب ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا (المائده، 48)** "ہم نے تم میں سے تمام امتوں کے لیے دستور اور راہ عمل دیا۔"

ثقافت کا مفہوم: ثقافت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دانائی، زیرکی، کسی کام کرنے میں مہارت، تہذیب، عقلمند ہونا اور طرز تمدن کے ہیں۔ علامہ زمخشری نے ثقافت کے معنی ادب سکھانے اور مہذب بنانے کے بھی بتائے ہیں۔ ثقافت کے لیے تمدن کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

تہذیب وتمدن (ثقافت) کا فرق: تہذیب نام ہے خیالات تصورات اور افکار وعقائد کا اور ان تصورات وافکار کے تحت جو افعال واعمال ظاہر ہوتے ہیں اور جو سیرت وکردار تشکیل پاتے ہیں، انہیں تمدن کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح تہذیب وتمدن لازم وملزوم ہیں۔ ان میں روح اور جسم کا رشتہ ہے۔ تہذیب روح ہے اور تمدن جسم، تہذیب اصل ہے اور تمدن اس کا مظہر، تہذیب انسان کا دل ہے جو تصورات وخیالات کا مرکز ہے اور تمدن انسانی جسم کے اعضاء ہیں جو وفادار اور فرمانبردار ملازموں کی طرح دل کے احکامات بجالاتے ہیں۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد، آغاز وارتقا: اسلامی تہذیب کا آغاز آج سے چودہ سو سال پہلے نبی ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ اسے آپ ﷺ نے خدائی احکامات کے مطابق تشکیل دیا تھا۔ یعنی اس کی بنیاد وحی الٰہی پر قائم ہے جو آج بھی پچپن سے زائد اسلامی ممالک میں قرآن وحدیث کے تہذیبی اصولوں کے مطابق موجود ہے۔ اس تہذیب نے عرصہ تک دنیا پر حکومت کی اور دنیا پر بہت اچھے اثرات مرتب کیے۔

(ماڈیول 97: اسلامی تہذیب کے نمایاں اوصاف)

عقیدہ توحید: 1۔ اسلامی تہذیب وثقافت کا اولین عنصر ترکیبی توحید ہے۔ 2۔ توحید ہی اسلامی تہذیب وثقافت کی وہ قوت ہے جس کا مقابلہ کوئی بھی عقیدہ، آئیڈیالوجی یا نظام زندگی نہیں کر سکا۔ 3۔ اسلام میں توحید مجرد عقیدہ یا ایک تصور نہیں بلکہ یہ ایک زندہ اور حرکی تصور حیات ہے۔

4۔ سورہ اخلاص میں عقیدہ توحید سے متعلق ان تمام مغالطوں کا ازالہ کیا گیا ہے جن کا شکار انسانی دماغ ہو سکتا تھا۔

عقیدہ رسالت: 1۔ اسلامی معاشرے اور تہذیب کی تشکیل میں عقیدہِ رسالت کی مرکزی حیثیت ہے۔ 2۔ معاشرتی انحطاط کا ازالہ وحی سے کیا گیا، یعنی بعثتِ انبیاء جنہوں نے اللہ کی تائید اور اپنے یقین وعمل کی قوت سے معاشرے کے تن مردہ میں پھر سے روح پھونک دی۔ 3۔ وہ انبیاء جن کا دائرہ تبلیغ محدود مدت کے لیے تھا، تشریف لا چکے تو خاتم الانبیاء، محمد رسول اللہ ﷺ کو عالم گیر نبوت کے ساتھ مبعوث کر دیا گیا: قرآن مجید میں ارشاد ہے: **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا، 28)** ''ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح تمام انسانیت کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر''۔ گویا اب قیامت تک امت مسلمہ کی معاشرتی سماجی تہذیبی اور ثقافتی شناخت کا معتبر حوالہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی رسالت ہوگی۔

عقیدہ آخرت: 1۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک صحت مند روایات کا امین نہیں بن سکتا جب تک اس میں جواب دہی کا تصور موجود نہ ہو۔

2۔ اسلام کی تہذیب اس حوالے سے امتیاز کی حامل ہے کہ دنیاوی زندگی کے بعد آخرت میں دنیاوی زندگی میں انجام دیے جانے والے اعمال کے احتساب اور جواب دہی کا تصور اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے، جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔

مساوات: اسلامی معاشرے کی ایک اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہنے تمام افراد بلا تفریق رنگ، نسل، ذات و خاندان، دولت اور معاشرتی مراتب برابر قانونی حقوق رکھتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: 1۔ ارشاد نبوی ﷺ کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیے جائیں گے۔

2۔ امیر المؤمنین سیدنا ابو بکرؓ ایک غلام کے بیٹے اسامہ کے گھوڑے کی رکاب تھامے پیدل چلتے نظر آتے ہیں۔

3۔ عمر فاروق ﷺ جیسی شخصیت بلالؓ حبشی کو سیدنا کہہ کر پکارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

معاشی مساوات: اسلامی تہذیب، معاشی مساوات کی سب سے بڑی علم بردار ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم کی سخت مخالف اور دولت کو چند ہاتھوں میں جمع کرنے کی نفی کرتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبة 34)** ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

امن و سلامتی: حضور نبی اکرم ﷺ پیغمبر امن بن کر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **اَلْمُسلِمُ مَن سَلِمَ الْمُسلِمُونَ مِن لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ** ”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

اسلام نے اقلیتوں کو بھی سلامتی عطا کی اور اپنے دور عروج میں باوجود ایک غالب تہذیب ہونے کے ان پر کسی بھی نوعیت کے جبر کی اجازت نہ دی۔

حسن اخلاق اور عدم تشدد: حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کو خوش اخلاقی اور نرمی کی تعلیم دی اور انہیں تشدد اور ظلم سے منع فرمایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی کو حاکم بنا کر بھیجتے تو انہیں نصیحت فرماتے: ”لوگوں کے لئے سہولت فراہم کرو اور مشکلات پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو بشارت دو انہیں وحشت زدہ نہ کرو۔ اتفاق باہمی سے رہو اختلافات پیدا نہ کرو۔“

عدل و انصاف: عدل وانصاف اسلامی معاشرے کا ایک اور امتیازی وصف ہے کہ اسلام بلا امتیاز مذہب، قوم، امیر اور غریب سب میں یکساں عدل کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل، 90)** ”بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے۔“

دوسری جگہ فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (المائده، 8)** ”کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے۔“

صفائی و سادگی: صفائی و سادگی اسلامی معاشرے کی ایک اور منفرد خصوصیت ہے۔ حدیث میں صفائی کو نصف ایمان کا درجہ دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (البقره، 222)** ترجمہ: ”بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

اسی طرح اسلام نے معاملات میں سادگی اور میانہ روی اختیار کرنے کی بھی تلقین کی ہے۔ ارشاد ہے: **وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان، 69)** ”اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں، بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔“

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: 1۔ مومن کے اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہونے والی چیزوں میں سے ایک اس کے کپڑوں کا صاف ستھرا ہونا اور قناعت پر راضی رہنا ہے۔

2۔ کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور لباس پہنو جس میں تکبر نہ ہو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر نعمت کا اثر نظر آئے۔

خواتین کا احترام: اسلام نے عورت کو نہ صرف حقوق عطا کئے بلکہ ہر روپ میں عزت و عظمت بھی عطا فرمائی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ228)** ترجمہ: ”اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے عورت کو مظلومیت کی زنجیروں سے آزاد کرایا اور معاشرے میں باوقار زندگی گزارنے کا حق دیا۔

سائنسی علوم کا فروغ: اسلامی تہذیب سائنسی علوم وفنون کے فروغ میں ایک انقلابی تاریخ رکھتی ہے۔ تسخیر کائنات کے حکم خداوندی کی بجا آوری کا جذبہ اسلامی فکر میں مختلف علوم وفنون کے پیدا ہونے کا سب سے قوی عامل ہے۔ تمام علوم طبیعی کا سنگ بنیاد مطالعہ فطرت ہے۔ قرآن تفصیل کے ساتھ فطرت کے مختلف مظاہر کے مطالعہ کی تاکید کرتا ہے: **قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (العنکبوت،20)**

دین و دنیا کا حسین امتزاج: دورِ نبوی میں مدینہ میں پروان چڑھنے والی تہذیب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتی۔ دین اور دنیا کے معاملات کو کچھ اس طریقے سے سلجھایا گیا ہے کہ نہ تو دینی مصروفیات دنیاوی ضروریات میں حائل ہوں اور نہ دنیاوی تقاضے ہی دین پر غالب آئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ االلّٰهُ اِلَيْكَ (القصص : 77)

(ماڈیول98: اسلامی تہذیب کے عالمی و علمی اثرات)

اسلامی تہذیب و ثقافت دنیا پر چودہ سو سال تک غالب رہی۔ اس نے ہر لحاظ سے دنیا کی امامت کی۔ اس کی روشنی سے پوری دنیا منور ہوئی اور عالمی سطح پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

ترغیب علم: اسلامی تہذیب و ثقافت نے لوگوں کو جس شدت سے ترغیب علم دی ہے اس کی مثال اسلام سے قبل کے مذاہب میں نہیں ملتی۔

مثلاً ہندومت میں علم پر برہمنوں کی اور عیسائیت میں پادریوں کی اجارہ داری ہے۔ حتیٰ کہ افلاطون بھی معاشرے کے تمام طبقات کے لیے تعلیم کا حصول ضروری نہیں سمجھتا۔ جبکہ اسلام ہر آدمی کے لیے علم کی ترغیب دیتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں۔ (الزمر: 39)

اس طرح نبی ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

اہل علم کی قدر دانی: اسلام میں اہل علم کی قدر دانی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ا۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ ۲۔ ایک فقیہہ ہزار عابدوں پر بھاری ہے۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹوں امین الرشید اور مامون الرشید میں استاد کی جوتیاں اٹھانے میں مقابلہ ہوتا۔ اسی طرح خلیفہ وقت امام مالک کے درس میں خود شریک ہوتا تھا۔

مسلم حکومتوں نے بلا امتیاز تعلیم کو عام کیا: بنو امیہ کے دور میں ہندوستان اور بنو عباس کے دور میں اندلس کے غیر مسلموں پر بھی علم کے دروازے کھولے گئے۔

امیر اور غریب علم کی دوڑ میں شریک ہو سکتے تھے۔ عبد الملک بن مروان کے دور میں سات بڑے علماء میں سے چار غیر عرب تھے۔ محدثین میں سے اکثریت غیر عرب لوگوں پر مشتمل ہے۔

مفت تعلیم: اسلامی حکومتوں نے تعلیم کو عام کرنے کے ساتھ مفت بھی کر دیا۔ مفت تعلیم کے لیے ادارے قائم کیے گئے۔ علماء مفت تعلیم دیتے بلکہ بعض طلبہ کے اخراجات بھی اساتذہ برداشت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مالدار طبقات بھی طلبہ کے تعلیمی اخراجات پر اپنا مال خرچ کرنا باعث فخر سمجھتے تھے۔

مفید علوم کی ترویج: مسلمانوں نے مفید علوم کی ترویج پر زور دیا۔ غیر نافع علوم مثلاً جادو، موسیقی، نجوم درمل، شرکیہ علوم کی مذمت کی۔ اس لیے نبی نے دعا سکھائی: 'اے اللہ! ہمیں علم نافع عطا فرما۔ آپ ﷺ نے غیر نفع بخش علوم سے اللہ کی پناہ مانگی۔

علمی تمدن کا قیام: مسلمانوں نے حکومتی اور معاشرتی سطح پر علمی تمدن قائم کیا۔ تعلیمی اداروں، مساجد، گھروں، کتب خانوں، کتب بازاروں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا جس نے ہر گھر کے تمدن کو علمی رنگ دے دیا۔

سائنسی تجربات: مسلمانوں سے پہلے سائنس ایک نظریاتی علم تھا۔ مسلمانوں نے اس کو تجربات کا علم بنا دیا۔ اس کے لیے تجربہ گاہیں اور رصد گاہیں اور ہسپتال قائم کیے گئے۔ جس سے سائنسی آلات اور ایجادات معرض وجود میں آئیں۔ اس کے علاوہ سائنس دانوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس سے سائنسی علوم میں بہت ترقی ہوئی۔

تعلیم کے ساتھ تربیت: مسلمانوں نے علم کے ساتھ ساتھ انسانی تربیت پر بھی زور دیا۔ کیونکہ صرف علمی معلومات سے اچھا انسان نہیں بنتا جب تک اس کی عملی تربیت نہ ہو۔ حدیث نبوی ہے اولاد کے لیے حسن ادب سے اچھا کوئی تحفہ نہیں۔

اسلامی تہذیب کے مذہبی و فکری اثرات: اسلامی تہذیب وثقافت نے دنیا کے فکری زاویے کو تبدیل کر دیا۔ مختلف شعبوں میں مذہبی فکری انقلاب برپا کیا۔

مذھبی اصلاحی تحریکیں: اسلامی تہذیب وثقافت کے زیر اثر ہندومت اور عیسائیت میں اصلاحی تحریکوں نے جنم لیا۔ لوگ اسلام کے قریب ہو رہے تھے۔ اس لیے ان مذاہب کو اپنا وجود خطرے میں نظر آیا۔ ان کے درد دل رکھنے والے افراد نے اصلاحی تحریکیں شروع کیں۔ مثلاً

1۔ عیسائی پروٹسٹنٹ تحریک
2۔ ہندوستان میں بھگتی تحریک

شعور حیات کا اجاگر کرنا: اسلام سے پہلے لوگوں کو ان کی زندگی کے مقصد کا شعور ہی حاصل نہ تھا۔ اسلام نے انسان کی قدر وقیمت بتائی اور اس کو زندگی کا صحیح شعور دیا۔ جس میں خدائے واحد کی رضا اور خدمت انسانیت کا وصف نمایاں تھا۔

کائنات میں تفکر کی دعوت: اسلام نے کائنات میں نظر، تدبر، مشاہدہ اور تجربہ کی دعوت دی۔ یہ اسلام کا سب سے بڑا فکری احسان ہے جو انسان پر کیا گیا۔ یہیں سے دینی، سائنسی اور سابقی علوم کے سرچشمے پھوٹے جنھوں نے انسانوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔ مشاہدہ، تدبر اور غور وفکر نے انسان کے لیے مختلف میدانوں میں اصلاح کا دروازہ کھول دیا۔ جس نے آگے چل کر دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔

انداز حکمرانی میں تبدیلی: اسلام سے پہلے بادشاہتوں کا دور تھا اور آمرانہ طرز حکومت کا رواج تھا۔ اسلام نے خلافت کا نظام دیا اور اسی خلافت کے ادارے کے ذریعے عوام سے مشاورت کے ذریعے حکومت کا نظام چلنا شروع ہوا۔ اس نے آگے چل کر جمہوریت کی شکل اختیار کر لی اور پھر عدل اجتماعی اور رفاحی ریاست کا تصور مقبول ومضبوط ہوا۔ آج کا مقبول جمہوری نظام دراصل اسلامی فکر کا نتیجہ ہے۔

وقار انسانی کا شعور: اسلام سے پہلے انسان کو عیسائیوں اور ہندوؤں نے پیدائشی گنہگار قرار دیا تھا۔ اسلامی تہذیب وثقافت نے معاشرے میں انسانی وقار پیدا کیا۔ اس نے انسان کے مقام ومرتبے کا شعور معاشرے میں جا کر کیا۔ ارشاد ربانی ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل : 70)** ”اور ہم نے بنی آدم کو عزت سے نوازا۔ ایک اور جگہ فرمایا: **لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین :4)** ”تحقیق ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت پر تخلیق کیا۔“

حقوق نسواں: یہ طبقہ غلاموں کے بعد سب سے محروم گردہ تھا۔ اس کو شیطان کا آلہ کار سمجھا جاتا تھا اور روحانی ترقی میں رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں درج ذیل اقدامات کیے: ماں، بہن، بیوی اور بیٹی تمام صورتوں میں عورت کو عزت اور حقوق عطا کیے۔ نکاح میں پسندیدگی اور رضامندی کا حق دیا اور حق مہر مقرر کیا۔ جائیداد میں حصہ مقرر کیا: وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (النساء: 7) "اور عورتوں کے لیے والدین اور قریبی رشتے داروں کے ترکے میں سے حصہ ہے۔" حصول علم کا حق دیا بلکہ خواتین کی تعلیم پر بہت زور دیا۔ ارشاد نبوی ہے: علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے پھر ان کے حسب حال مختلف شعبوں میں ملازمت کا حق دیا اور ان کو تقریر و تحریر کی اجازت اور بنیادی حقوق عطا کیے۔

محنت کی عظمت: اسلام نے محنت کش کی عزت کو بحال کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا "سب سے بہتر کھانا انسان کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ اس کے علاوہ مزدوروں کو اُنکی مزدوری بروقت ادا کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد نبوی ہے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ یوں اسلام نے معاشرے میں دولت، عہدہ، جاگیر اور خاندانی امتیازات کو ختم کر کے محنت کی عظمت کو بحال کیا۔

آداب معاشرت: اسلام نے جو معاشرتی نقوش چھوڑے ان میں سے آداب معاشرت بہت اہم ہیں۔ مثلاً سفر کے آداب، کھانے پینے کے آداب، ملنے جلنے کے آداب، سونے جاگنے کے آداب مجلس کے آداب۔ اس سے معاشرتی زندگی میں حسن اور رعنائی پیدا ہوئی۔ جس نے معاشرے کو محبت کی حلاوت و شیرینی سے بھر دیا۔ سورہ حجرات معاشرتی احکام سکھاتی ہے جس پر انسانیت کی کامیابی کا انحصار ہے۔

: ۵ لطافت و پاکیزگی اسلام نے انسان کی جسمانی پاکیزگی پر زور دیا۔ مثلاً عبادت کے لیے غسل، اور وضو کو لازمی قرار دیا۔ کپڑوں کی صفائی پر زور دیا: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر: 4) "اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو"۔ اسی طرح نبی ﷺ نے اَلطُّهُورُ نِصفُ الاِيمَان فرما کر صفائی کو نصف ایمان قرار دیا۔

غلاموں سے بہتر سلوک اور خاتمے کے اقدامات: آپ ﷺ نے فرمایا: "جیسا تم خود کھاؤ ویسا غلاموں کو کھلاؤ۔ جیسا خود پہنو، غلاموں کو پہناؤ۔

اسلامی تعلیمات کی بدولت بہت سے غلام وقت کے سب سے بڑے عالم بنے۔

لیکچر نمبر24: اسلامی تہذیب وثقافت– II

(ماڈیول1۔ 99:اسلامی معاشرے کا تعارف اور خصوصیات)

معاشرے کا مفہوم: معاشرہ کا مفہوم: معاشرہ عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ "عشر" سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی "دس(10)" کے ہیں۔ عربی لغت "المنجد" کے مطابق معاشرہ کا لغوی معنٰی " دس، دسواں حصہ، باہم مل جل کے رہنا" ہے۔ اردو ڈکشنری فیروزاللغات کے مطابق معاشرہ کے لغوی معنی "جماعتی زندگی" اور معاشرت کے معنی "کسی کے ساتھ مل جل کر رہنا" ہیں۔ اصطلاح میں معاشرے سے مراد افراد کا ایسا گروہ جو مشترکہ وجوہات اور مقاصد کے اعتبار سے باہم مل جل کر رہتے ہوں۔

اسلامی معاشرہ: فراد کا ایسا گروہ یا اجتماع جو اسلامی عقائد و نظریات کو ماننے والا ہو اور ان کی عملی وسماجی زندگی میں اسلامی اقدار اور شعائرِ اسلام کا رنگ نظر آتا ہو۔

اسلامی معاشرے کی نمایاں خصوصیات: اسلامی معاشرہ دوسرے معاشروں سے کئی لحاظ سے منفرد خصوصیات کا حامل ہے جن میں چند کا تذکرہ درج ذیل ہے:

اسلامی عقائد و نظریات: اسلامی معاشرے کی پہلی اور بڑی خصوصیت ہے کہ اس میں رہنے والے تمام لوگ توحید یعنی ایک اللہ کو معبود ماننے والے ہوتے ہیں۔توحید کیا ہے اس کی جامع عکاسی اللہ تعالیٰ نے سورہ الاخلاص میں فرمائی۔ نیز اس کا عملی مظاہرہ اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شریک نہ ٹھہراتے ہوئے اسی کی عبادت اور اسی کو مستعانِ حقیقی سمجھتے ہوئے اُس سے مدد طلب کی جاتی ہے:**إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحہ،5)** علاوہ ازیں اسلامی معاشرہ کے افراد بقیہ اسلامی عقائد و نظریات، رسالت، ملائکہ، آسمانی کتب اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

شرفِ انسانیت: اسلامی معاشرہ انسان کو عزت وشرف کا مقام عطا کرتا ہے اور پیدائشی گنہگار وحقیر قرار دینے کی بجائے اسے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:**وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (الاسراء 70)**"اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی" دوسری جگہ پر فرمایا: **لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین،4)** "بیشک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔"

تقویٰ: اسلامی معاشرے میں افضلیت وفضلیت کا معیار رنگ، نسل، اونچا نسب وکنبہ اور دولت نہیں بلکہ اس سے ہٹ کر سب سے افضل وہ ہے جو زیادہ متقی و پرہیز گار ہے:**إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات، 13)** "بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہو۔"

احسان وایثار: اسلام میں احسان وایثار کی بھی ترغیب دی گئی ہے کہ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا یہاں تک کہ انسان کو کسی چیز کی خود ضرورت ہو وہ اپنی ذات کی نفی کر کے دوسرے کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے۔ قرآن مجید میں مومنین کی اس صفت کی یوں تحسین کی گئی ہے:**وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر، 9)** "اور خود پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو۔"

- جنگ یرموک میں ایثار کی بہترین مثال سامنے آئی جب تین شدید زخمی اور پیاس سے بے حال مجاہدین نے خود پانی پینے کی بجائے دوسرے بھائی کو پلانے کا کہا اور بالآخر تینوں پانی پیئے بغیر شہید ہوگئے۔

رواداری اور اقلیتوں کے ساتھ حسنِ سلوک: اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کو مکمل معاشرتی ومذہبی حقوق حاصل ہیں ان پر کسی قسم کوئی مذہبی پابندی اور جبر نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (البقرہ،256)**"دین میں زبردستی نہیں"۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں کے معبودوں کو برا بھلا کہنے اور ان کے متعلق غیر مناسب الفاظ کہنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے:**وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام، 108)**

اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے علاوہ پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: اسلامی معاشرے میں عوام الناس کی اصلاح کے لیے نیکی کا درس دینے اور برائی سے منع کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ہے: **وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران:104)** اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی دعوت دے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

حیاداری: اسلامی معاشرے میں حیا اور پردے کو خاص اہمیت حاصل ہے اور حیا و پردہ داری ایک خاص اسلامی شعار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (النور:30)** "مومنین کو حکم دیں کہ وہ اپنی نگاہیں جھکائیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ (الاحزاب،59)** "اے نبی ﷺ! اپنی ازواج اور اپنی صاحبزادیوں اور مومن عورتوں سے فرمادیں کہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں۔

حیا کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: **إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (صحیح بخاری، 6120)** "جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرتے پھرو۔"

امداد باہمی: اسلامی معاشرے میں امداد باہمی کو بہت اہمیت حاصل ہے مستحق لوگوں کی زکوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں مدد کرنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ ارشادِ ربانی ہے: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ(المائدہ،2)** نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔"

(ماڈیول2-100: اسلامی معاشرے کی خصوصیات)

اخوت کا مفہوم: اخوت عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ "اخ" سے نکلا ہے جس کے معنی "بھائی چارہ" کے ہیں۔ اصطلاح میں اخوت سے مراد تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں خواہ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں رہتے ہوں یا ان کا تعلق ملک، نسل اور قوم سے ہو۔

اخوت کی اہمیت و وسعت: اللہ تعالی نے خونی بھائی چارے کے علاوہ تمام مسلمانوں کو چاہے وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رہتے ہوں سب کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا: **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات، 10)** "بے شک (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔" فرمانِ نبوی ﷺ ہے: **الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ (صحیح بخاری، 2442)** "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔"

رشتہ اخوت کی پہچان: مسلمانوں کے رشتہ اخوت کی پہچان ان کے باہم رویے اور سلوک میں نرمی و شفقتگی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: **مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح، 29)** "محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لیے نہایت سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔"

صلح کا حکم اور تنازعات کی ممانعت: رشتہ اخوت میں مضبوطی اور پائیداری کو فروغ دینے کے لیے باہمی تنازعات اور ناچاقی کی صورت میں بھائیوں میں ایک طرف صلح کا حکم ہے اور دوسری طرف آپس کے تنازعات سے مکمل ممانعت کا حکم دیا گیا ہے ارشاد باری تعالی ہے: **فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات،10)** "سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" دوسری جگہ فرمایا: **وَلَا**

تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال، 46) ”جھگڑا مت کرو ورنہ (متفرق اور کمزور ہو کر) بزدل ہو جاؤ گے اور (دشمنوں کے سامنے) تمہاری ہوا (قوت) اکھڑ جائے گی۔“

پھر فرمایا:وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران، 103)اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو۔

ایثار و قربانی: اسلام میں رشتہ اخوت کی بنیاد ایثار و قربانی پر رکھی گئی ہے کہ اپنے لیے کسی چیز کی ضرورت وحاجت ہونے کے باوجود اپنے بھائی کی ضرورت کو ترجیح دینا اور اپنے بھائی کے لیے ہمہ وقت قربانی کا جذبہ مومن کی پہچان و شان ہے اللہ پاک نے اس صفت کو قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا:وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر ، 09) ”اور خود پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو۔“

مومن، مومن کا آئینہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ (سنن ابی داؤد، 4918)”مومن مومن کا آئینہ ہے، اور مومن مومن کا بھائی ہے، وہ اس کی جائیداد کی نگرانی کرتا اور اس کی غیر موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔“ یعنی جس طرح آئینہ ہر خوبی وخامی کو بغیر کمی بیشی کے دکھاتا ہے اسی ہر مومن پر لازم ہے کہ اپنے مومن بھائی کے لیے بغیر کمی وبیشی کے اس کی ہر خوبی وخامی کو حکمت سے بیان کرے اور اچھے کردار مومن کی خوبیوں کو اپنے لیے آئینہ دار بنائے۔

اسلامی اخوت کے تقاضے: 1۔ جان، مال اور عزت کا تحفظ: اخوت کا بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ مومن اپنے بھائی کی جان، مال اور اس کی عزت کا محافظ ہوتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے بھی ایک مومن کے لیے دوسرے مومن کی جان، مال اور عزت کو حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ (سنن ابن ماجہ، 3933) ” ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت وآبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔“

2۔ مومن بھائی کے لیے خیر خواہی اور اس کے مفاد کا خیال: اپنی پسند کے درجہ کے مطابق دوسرے مسلمان بھائی کے مفاد کا خیال بھی رکھنا اخوتِ اسلامی کا بنیاد تقاضا اور ایک حقیقی مومن کی نشانی بھی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (سنن نسائی، 5019)”تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

- نبی کریم ﷺ نے مومنوں کے رشتہ اخوت میں مضبوتی اور دوام کے لیے ایک ہی حدیث میں ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حقوق اور تقاضے بیان فرمائے: لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ: يَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ، وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ، وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ، وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ (سنن نسائی، 1940)”مومن کے مومن پر چھ حقوق ہیں: جب بیمار ہو تو وہ اس کی عیادت کرے، جب مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک رہے، جب دعوت کرے تو اسے قبول کرے، جب وہ اس سے ملے تو اسے سلام کرے، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے، اور اس کی خیر خواہی کرے خواہ اس کے پیٹھ پیچھے ہو یا سامنے۔“

3۔ منافیِ اخوت چیزوں سے ممانعت: دین اسلام میں ان تمام عوامل وچیزوں سے منع کیا گیا جو مومنین کے درمیان رشتہ اخوت کو کمزور بنا سکتے ہیں۔ سورہ حجرات میں تفصیل دی گئی ہے: مذاق نہ اڑانا طعنہ زنی اور الزام تراشی نہ کرنا بُرے القاب سے بلانے کی ممانعت بُرے گمان سے اجتناب تجسس نہ کرنا

4۔ غیبت کی ممانعت: احادیث نبوی ﷺ میں بھی منافی اخوت کئی باتوں سے منع فرمایا گیا ہے مثلا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُونُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ (جامع ترمذی، 1927) ”مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، اس سے جھوٹ نہیں بولتا اور نہ ہی مشکل وقت میں اس کا ساتھ چھوڑتا ہے۔“ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ منافی اخوت باتوں کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:” ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو اور ایک دوسرے سے بُغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے رُخ نہ موڑو، اور تم میں سے کوئی شخص

دوسرے کے سودے پر اپنا سودا نہ کرے۔ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! باہم بھائی بھائی ہو جاؤ۔ ایک مسلمان پر دوسرے کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت (و آبرو پامال کرنا) حرام ہے۔" (صحیح مسلم، 1986)

سچائی: عربی زبان میں لفظ "صدق" سچائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں "بیان اور حقیقت میں ہم آہنگی ہونا" سچائی کہلاتا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد نے سچائی کے متعلق لکھاہے کہ: "سچائی کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ زبان سے غلط اور خلافِ واقعہ بات کہی جائے، بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں دل کی سچائی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے۔ 1۔ دل کی سچائی کا مطلب ہے کہ دل میں کسی قسم کا نفاق، کوئی دغا اور فریب نہ ہو۔ 2۔ عمل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ جو عقیدہ اور قول ہو وہی عمل بھی ہو اور ظاہر و باطن میں پوری یکسانیت ہو جن بندوں کا حال یہ ہو وہی قرآن کی اصطلاح میں "صادق "ہیں"

قرآن مجید و احایث کی روشنی میں اہمیت:

- صداقت و سچائی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللهِ حَدِيثًا (النساء، 87) "اور بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہے۔"
- دین اسلام اپنے ماننے والوں کو سچ بولنے اور جھوٹ سے نفرت کا حکم دیتا ہے۔ اللہ کے نیک بندے ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور اہل ایمان کو ہمیشہ سچے لوگوں کا ساتھ دینے کا کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبہ، 119)** "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو۔"
- قیامت کے دن سچے لوگ بخش دیئے جائے گے اور سیدھے جنت میں جائے گے۔ ارشادِ الٰہی ہے: **قَالَ اللهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (المائدہ، 119)** "اللہ فرمائے گا: یہ ایسا دن ہے (جس میں) سچے لوگوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا، ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے، یہی (رضائے الٰہی) سب سے بڑی کامیابی ہے۔"
- سچائی نیکی کا راستہ ہے۔ یعنی یہ وہ پہلی زینہ ہے جو بندہ مومن کو نیکی و ہدایت کے راستے پر لے جاتا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ گمراہی و نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "بلاشبہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ صدیق کا لقب اور مرتبہ حاصل کرلیتا ہے اور بلاشبہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔" (صحیح بخاری، 6094)

سیرت النبی ﷺ سے سچائی کی مثالیں: حضرت محمد ﷺ کی زندگی سچائی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے آپ ﷺ "الصادق و الامین" کے لقب سے مشہور تھے۔ کوہ صفا پر اعلان نبوت کے موقع پر لوگوں نے آپ ﷺ کے صادق ہونے کی پہلے تصدیق کی۔ ہرقل روم کے دربار میں قیصر ہرقل نے ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے سے قبل حضرت محمد ﷺ کے بارے سوال کیا: تمہیں اس شخص پر کبھی جھوٹ کا شک گزرا؟ ابو سفیان نے کہا کہ نہیں۔ نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کے سب سے بڑے عالم حضرت عبد اللہ بن سلامؓ آپ ﷺ کی زیارت و ملاقات کے لیے تشریف لائے اور دور سے چہرہ انور کو دیکھ کر پکار اٹھے کہ "یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں۔ (جامع ترمذی، 2485)

جھوٹ کی مذمت: سچائی کا متضاد "جھوٹ" ہے اس کے لیے عربی کا لفظ "کذب" استعمال ہوتا ہے جس کے لغوی معنی، غلط بیانی اور غلط خبر کے ہیں۔ اصطلاح میں جھوٹ سے مراد "بیان اور حقیقت میں مطابقت نہ ہونا" ہے۔

- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جھوٹ سے بچنے کی تلقین کی ہے: **وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (الحج ، 30)** "اور جھوٹی بات سے پرہیز کیا کرو"
- اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے: **لَعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (آل عمران، 61)** "جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے"

- آخرت میں جھوٹوں کے لیے ان کے جھوٹ کے سبب دردناک عذاب ہو گا:**وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (البقرہ، 10)**اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔
- نبی کریم ﷺ نے منافق کی تین نشانیاں بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ منافق جب بات کرتا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے (صحیح مسلم 211)
- جب کوئی انسان کسی سے بات سنے اور اسے بغیر تحقیق کے آگے پہنچادے حدیث میں اسے بھی جھوٹ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: "کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دے۔" (صحیح مسلم، باب النَّهْيِ عَنِ الْحَدِيثِ بِكُلِّ مَا سَمِعَ)

عفو و درگزر کا مفہوم: عفو کے لغوی معنی معاف کرنا، مٹادینا اور بدلہ نہ لینے کے ہیں۔ بدلہ لینے کی استطاعت و طاقت رکھنے کے باوجود کی کو معاف کر دینا عفو و درگزر کہلاتا ہے۔

معاف کر دینا اسلام میں ایک قابل تعریف و مستحسن عمل ہے لیکن اس میں زیادتی، بگاڑ کا سبب بھی بن سکتی ہے لہٰذا عفو و درگزر کی ایک حد مقرر ہے اس سے آگے معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اس حوالے سے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: "عفو اور انتقام میں سے کسی ایک ہی کا اختیار کرنا، دنیا کے جسمانی یا روحانی نظام کا نقص ہے۔ اگر انتقام اور سزا کا اصول نہ ہو تو جماعت کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور نہ ملک میں امن و امان قائم رہ سکتا ہے اور نہ افراد کے بڑے حصے کو برائیوں سے باز رہنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے"

ذاتی معاملات میں عموماً عفو درگزر سے کام لینا چاہیے لیکن اس میں بھی افراد کے مزاج کا خیال رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی بار بار معافی کے باوجود مسلسل زیادتی کرتا چلا جائے تو اس صورت میں قانونی سزا دلوانا ہی بہتر ہے اور جہاں تک بات حدود اللہ کو توڑنے یا ایسے جرائم کی ہو جو اجتماعی نظام میں بگاڑ کا سبب بنے تو اس میں معافی اور عفو و درگزر کی کوئی گنجائش نہیں اسی حوالے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا کی بہت عمدہ روایت ملتی ہے کہ " رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اس نے اللہ کے کسی حکم کو توڑا اور اس کو قانوناً سزا ملی ہو۔"

قرآن واحادیث کی روشنی میں اہمیت:

- قرآن مجید میں اللہ تعالی نے عفو و درگزر کو مومنین کی صفت کے طور پر بیان کیا ہے ارشادِ باری تعالی ہے:**وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (شوری، 37)** "اور جب انہیں غصّہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔"
- دین اسلام معاف کرنے کو انسان کی کمزوری نہیں بتلاتا بلکہ اسے ایک بہادری اور ہمت کا کام کہتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:**وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (شوری، 43)**"اور یقیناً جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بیشک یہ بلند ہمت کاموں میں سے ہے۔"
- جب کوئی انسان اللہ کی رضا کے لیے قصاص و انتقام کی بجائے معاف کرتا ہے تو اس انسان کے لیے کسی انسان کو معاف کرنا اس کے گناہوں کے کفارے کا بھی سبب بنا دیتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: **فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ (المائدہ، 45)** "تو جو شخص اس (قصاص) کو صدقہ (یعنی معاف) کر دے تو یہ اس (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہو گا۔"
- دین حق کو ماننے والے ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ امور سرانجام دے جو اس کی بخشش کا سبب بنے اور اس کے وقار و عزت میں اضافہ فرمائے عفو و درگزر نہ صرف بخشش و مغفرت کا ذریعہ ہے بلکہ یہ عمل انسان کی عزت میں بھی اضافہ فرماتا ہے ارشاد باری تعالی ہے:**وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (النور، 24)** "کہ (ان کا قصور) معاف کر دیں اور (ان کی غلطی سے) درگزر کریں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔"

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: **وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلاَّ عِزًّا (صحیح مسلم، 2588)** "معاف کرنے سے اللہ بندے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔"

سیرت النبی ﷺ سے چند عفو ودر گزر کی مثالیں: حضرت محمد ﷺ درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اور آپؐ کی تلوار درخت پر لٹک رہی تھی، ایک آدمی آیا اور تلوار لے کر آپؐ کی طرف بڑھا، اللہ کی مدد سے آپؐ نے اس پر قابو پا لینے کے بعد اس کو معاف کر دیا۔ طائف کے لوگوں کا تکلیف دینے کے باوجود نہ صرف ان کو معاف کیا بلکہ ان کے حق میں ہدایت کی دعا فرمائی۔ سراقہ بن جعشم اور بریدہ اسلمی، جنہوں کے ہجرتِ مدینہ کے وقت حضرت محمد ﷺ کا تعاقب کیا پکڑنے جانے پر آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا۔ آپ ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ تعالی عنھا کو اذیت پہنچانے والے ہبار الاسود کو معاف فرمایا۔ کئی سال تک بطور سر غنہ اسلام سے دشمنی نبھانے والے ابو سفیان اور ان کی زوجہ ہندہ (حمزہ رضی اللہ کے جسدِ مبارک کو چاک کرنے والی) کو بھی معاف کر دیا۔

(ماڈیول 3-101: گفتگو اور ملاقات کے اسلامی آداب)

سلام کرنا: ملاقات کے لیے پہلی اور اولین بات جس کی اسلام بہت تاکید کرتا ہے وہ یہ کہ جب بھی کسی سے ملاقات ہو سب سے پہلے سلام کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے: **وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا (النساء، 86)** "اور جب (کسی لفظ) سلام کے ذریعے تمہاری تکریم کی جائے تو تم (جواب میں) اس سے بہتر (لفظ کے ساتھ) سلام پیش کیا کرو یا (کم از کم) وہی (الفاظ جواب میں) لوٹا دیا کرو، بیشک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔"

- ارشادِ نبوی ﷺ ہے: " جب دو مسلمان آپس میں ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں، تو جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں "(جامع ترمذی، 2727)
- حدیث میں سلام میں پہل کرنے والے شخص کو اللہ کے زیادہ قریب تر قرار دیا گیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: "اللہ کے نزدیک وہ شخص اولیت کا حامل ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔" (سنن ابی داوٗد، 5197) ایک اور جگہ فرمایا: " سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، اور تھوڑے آدمی زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔" (سنن ابی داوٗد، 5199) ایک اور حدیث میں ہے: " چھوٹا بڑے کو سلام کہے، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے افراد زیادہ کو۔" (صحیح بخاری، 6231)
- اسلام کی ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کیا جائے۔ "حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "اے میرے پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کیا کرو، یہ سلام تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے خیر وبرکت کا باعث ہو گا (ترمذی، 2698)

اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ جب بھی کسی سے ملے تو خوشدلی کا مظاہرہ کرے اور چہرے پر مسکراہٹ ہو۔ حدیث میں ہے کہ: " تیرے چہرے پر دوسرے بھائی کے لیے مسکراہٹ صدقہ ہے "(جامع ترمذی، 3954)

- ملاقات کرنی ہو یا کسی کام کے لیے کسی کے گھر جانا ہو تو اجازت لینا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا (النور، 27)** "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو۔" اس حوالے سے اسلام کی ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ تین دفعہ دستک دینا یا اجازت طلب کرنا چاہیے اور اگر جواب نہ ملے تو واپس لوٹ جانا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: " جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت طلب کرے پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس ہو جاؤ "(سنن ابی داوٗد، 5180)

- جب دو سے زیادہ لوگ ملاقات کریں تو ان میں سے دو لوگوں کو آپس میں سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم تین آدمی ساتھ رہو تو تم میں سے دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں یہاں تک کہ تم دیگر لوگوں کے ساتھ گھل مل جاؤ، کیونکہ یہ چیز اسے رنجیدہ کر دے گی۔(صحیح مسلم،5697)
- اسلامی آدابِ گفتگو میں یہ بھی تعلیم شامل ہے کہ اچھی اور بامقصد بات کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔**وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ، 83) "اور** لوگوں سے نیکی کی بات کہو۔ اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے:"جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔(صحیح بخاری،3563)
- دورانِ گفتگو انسان کو اتنی تیز بات نہیں کرنی چاہیے کہ سامع کو سمجھ بھی نہ آئے بلکہ اس میں آہستگی ہونی چاہیے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:"حضور اکرم ﷺ اِس انداز سے گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی شخص (الفاظ) گننا چاہتا تو (بآسانی) گن سکتا تھا۔" مزید فرماتی ہیں:" نبی اکرم ﷺ تمہاری مانند تیزی سے مسلسل کلام نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ اِس طرح کلام فرماتے کہ کلام کے درمیان وقفہ ہوتا تھا اور پاس بیٹھنے والا شخص اُسے (صرف سن کر) یاد کر لیتا تھا۔(جامع الترمذی ،3639)
- اسلام میں دورانِ گفتگو کسی کی خوشامد کرنے کی ممانعت کی گئی ہے حدیث میں خوشامد کی مذمت ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:" جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو" (مشکوۃ المصابیح،763)

(ماڈیول4-102: اسلام کا خاندانی نظام)

خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے یہی انسان کا سب سے قدیم اور ابتدائی ادارہ ہے جس کی بنیاد پہلے انسان کے اس دنیا میں پیدا کیے جانے کے ساتھ ہی رکھ دی گئی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک اس دنیا کے ہر معاشرے میں اس کا تسلسل ابھی بھی برقرار ہے خاندان ہی ریاست کی ابتدائی منزل و اساس ہوتی ہے

۔

اگر معاشرے کی بنیادی اکائی مضبوط رشتوں پر قائم ہو گی تو معاشرتی نظام بھی مستحکم ہو گا اور اس میں بگاڑ ہو گا تو معاشرتی نظام بھی کمزور ہو گا۔

خاندان کا مفہوم: دی کولمبیا انسائیکلوپیڈیا کے مطابق خاندان سے مراد ہے:"کہ خاندان والدین اور ان کے بچوں پر مشتمل ایک معاشرتی گروپ ہے جنیاتی اعتبار سے اس گروپ میں ان افراد کے متعلقہ کئی دوسرے افراد مثلاً غلام، ملازمین، بیویاں، شوہر اور ان کے بچے بھی شامل کیے جاسکتے ہیں اسی سے Extended Family اور Lineage Family وجود میں آتی ہے جس کو "لارج" یا جائنٹ خاندان بھی کہا جاسکتا ہے یہ ایک اہم معاشی اور حیاتیاتی یونٹ ہوتا ہے۔"

تعریف:"افراد کا ایسا گروہ (کم از کم دو افراد، میاں وبیوی یا زیادہ افراد) جو کسی رشتے کی بنیاد پر ایک گھر میں اکٹھے رہتے ہوں اسے خاندان کہتے ہیں۔"

نکاح کا مفہوم: نکاح کے لغوی معنی وابستگی اور پیوستگی کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد" نامحرم مرد اور عورت کا میاں بیوی یعنی (Husband ,Wife) کے رشتے میں منسلک ہو جانا نکاح کہلاتا ہے۔"

قرآن وحدیث کی روشنی میں نکاح کی اہمیت: نکاح اسلامی معاشرے کی اہم ترین اکائی ہے اس لیے نکاح کا حکم اور ترغیب دی گئی۔ فرمانِ الٰہی ہے:**فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ (النساء، 3)** "عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لئے پسندیدہ ہوں۔" گویا نکاح کے حکم کے ساتھ ساتھ کامیاب خاندانی زندگی کے لیے مرد وعورت کے اظہار پسندیدگی کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے۔

- نکاح کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام نے آزاد لوگوں کے ساتھ غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح بھی کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد ہوا: **وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (النور، 32)** "اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو جو (عمرِ نکاح کے باوجود) بغیر ازدواجی زندگی کے (رہ رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا بھی (نکاح کر دیا کرو۔"
- نکاح رزق میں کشادگی اور معاشی فراخی کا ذریعہ ہے: **إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (النور، 32)** "اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔" نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: تین آدمیوں کی اعانت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے؛ 1۔ وہ غلام جو اپنی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے، 2۔ نکاح کرنے والا جو پاکبازی چاہتا ہے، 3۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (سنن النسائی، 3218)
- نکاح سکون و اطمینان اور محبت و الفت کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (الروم ، 21)** "اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بیشک اس (نظامِ تخلیق) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"
- نکاح نصف ایمان ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "جب بندہ نکاح کرتا ہے تو وہ اپنا نصف ایمان مکمل کر لیتا ہے۔" (شعب الایمان للبیهقی، 5246)
- نکاح تمام انبیاء کی سنت ہے: "اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیغمبروں کو بھیجا اور ہم نے ان کے لئے بیویاں (بھی) بنائیں اور اولاد (بھی)" (الرعد، 38)
- نکاح سنتِ محمدی ﷺ ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: "نکاح میری سنت اور میرا طریقہ ہے، تو جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔" (سنن ابن ماجہ، 1846)

نکاح کے لیے ترجیحات: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "عورتوں سے نکاح چار چیزوں، مال و دولت، حسب و نسب، خوبصورتی اور دین داری کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ تم دین داری کو ترجیح دیا کرو۔ (صحیح بخاری: 5090) پھر فرمایا: "اپنے نطفوں کے لیے (اچھا) انتخاب کرو اور اپنے کفو (برابری) والوں سے نکاح کرو۔" (المستدرک حاکم، 2687)

مہر اور جہیز کا اسلامی تصور: جہیز عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ "جھاز" سے نکلا ہے اور اس کا مصدر "تجھیز" ہے جس کے لغوی معنی، ساز و سامان، تیاری، آراستگی وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاح میں جہیز سے مراد وہ ساز و سامان ہے جو دلہا یا اس کے اہل خانہ کو تقریب شادی سے قبل یا اس کے دوران دلہن یا اس کے اہل خانہ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

"حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ کو جہیز میں روئیں دار چادر، مشک، اذخر (گھاس) بھری ہوئی تکیہ دیا۔" (سنن نسائی، 3388)

مہر: اسلام میں مہر سے مراد وہ تحفہ ہے جو دلہا کی طرف سے دلہن کو رشتہ ازدواج میں باندھنے کے عوض بوقتِ نکاح یا معینہ مدت کی تاخیر کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ مہر ہر وہ چیز ہو سکتی جو میں مال بننے کی خصوصیت ہو اور یہ دلہے پر فرض ہوتا ہے جس کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا (النساء، 04)** "اور عورتوں کو ان کے مَہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مَہر) میں سے کچھ تمہارے لئے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لئے) سازگار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی عورت کا مہر مقرر کرے اور اللہ جانتا ہے ہو کہ اس کا وہ مہر ادا کرنے کا ارادہ نہیں ہے صرف اللہ کے نام سے دھوکہ دے کر ناحق اس کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کرلیتا ہے تو وہ اللہ سے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا شمار زانیوں میں ہو گا۔(مسند احمد، 18932)

حقِ مہر کی مقدار: اسلام میں مہر کی کم یا زیادہ مقدار مقرر نہیں کی گئی مستحب عمل یہ ہے کہ اس کو دلہے مالی حیثیت و استطاعت کے مطابق مقرر کیا جائے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: خبر دار عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھو۔ اگر زیادہ مہر باندھنا دنیا میں عظمت کا سبب اور اللہ کے ہاں تقوی کا باعث ہوتا تو اللہ کے نبی ﷺ اس کے زیادہ حق دار تھے۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی اور بیٹی کا مہر، بارہ اوقیہ سے زیادہ رکھا ہو۔(جامع ترمذی، 1114)

(ماڈیول 5-103: طلاق اور خلع)

طلاق

طلاق کے لغوی معنی قید سے آزاد کرنا، تفریق کرنا اور جدا کرنا وغیرہ کے ہیں۔

"اصطلاح میں اس سے مراد میاں اور بیوی کے درمیان قائم رشتہ نکاح کو مخصوص الفاظ اور طریقے سے ختم کر دینا طلاق کہلاتا ہے"

اسلام میں طلاق ناپسندیدہ عمل

اسلام میں طلاق کے عمل کو سخت ناپسند کیا گیا ہے اور صرف ناگزیر صورت میں اس کی اجازت دی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے ۔(سنن ابن ماجہ، 2018)

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرہ، 229:02)

طلاق (صرف) دوبار (تک) ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

طلاق رَجعی دوبار تک ہے اس کے بعد طلاق دینے پر رجوع کا حق نہیں۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد کو طلاق دینے کا اختیار دوبار تک ہے۔

اگر تیسری طلاق دی تو عورت شوہر پر حرام ہو جائے گی۔

اور جب تک پہلے شوہر کی عدت گزار کر کسی دوسرے شوہر سے نکاح اور ہم بستری کر کے عدت نہ گزار لے تب تک پہلے شوہر پر حلال نہ ہو گی۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ، 229:02)

"پھر اگر شوہر بیوی کو (تیسری) طلاق دیدے تو اب وہ عورت اس کیلئے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے، پھر وہ دوسرا شوہر اگر اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر ایک دوسرے کی طرف لوٹ آنے میں کچھ گناہ نہیں اگر وہ یہ سمجھیں کہ (اب) اللہ کی حدوں کو قائم رکھ لیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں وہ دانش مندوں کے لئے بیان کرتا ہے۔"

مذاہبِ اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے کے مطابق تین طلاقیں تین مہینوں میں دی جائیں یا ایک مہینے میں یا ایک دن میں یا ایک نشست میں یا ایک جملے میں بہر صورت تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت مرد پر حرام ہو جاتی

خلع

خلع کے لغوی معنی اتارنے کے ہیں۔

اصطلاح میں عورت کا اپنے مطالبے سے رشتہ نکاح کا ختم کر کے علیحدگی اختیار کرنا خلع کہلاتا ہے۔

دراصل خلع بیوی کو دیا جانے والے حق طلاق ہے کہ اگر بیوی کا کسی وجہ سے شوہر کے ساتھ گزرا مشکل ہے اور شوہر اس کو طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو عورت عدالت یا قاضی سے رجوع کر کے شوہر سے خلع حاصل کر سکتی ہے اور رشتہ نکاح کو ختم کر سکتی ہے۔

خلع کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ، 229:02)

پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اندریں صورت) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر (اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی لے لے، یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، پس تم ان سے آگے مت بڑھو اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت اور احادیث نبویہ ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ خلع لینے کی صورت میں عورت کو بوقت نکاح شوہر سے لیا ہوا مالِ مہر واپس کرنا ہو گا۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے ان کے اخلاق اور دین کی وجہ سے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ البتہ میں اسلام میں کفر کو پسند نہیں کرتی۔ (کیونکہ ان کے ساتھ رہ کر ان کے حقوق زوجیت کو نہیں ادا کر سکتی)۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم ان کا باغ (جو انہوں نے مہر میں دیا تھا) واپس کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے (ثابتؓ سے) فرمایا کہ باغ قبول کر لو اور انہیں طلاق دے دو۔

خلع صرف خاص سبب کی بنا ہو سکتا ہے بلاوجہ رشتہ نکاح کو توڑنے اور خلع لینے والی عورتوں کو اللہ نے ناپسند فرمایا ہے۔

حدیثِ پاک ہے: جو عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے طلاق کا سوال کرتی ہے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (جامع ترمذی، 142)

لیکچر نمبر25: اسلامی تہذیب وثقافت– III

(ماڈیول 1 – 104: حقوق و فرائض کی اہمیت اور والدین کے حقوق)

تعریفات حقوق و فرائض

حقوق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم: حق کے لغوی معنی صحیح، مناسب اور جائز مطالبہ یا استحقاق کے ہیں۔ اس طرح حق ایک ذو معنی لفظ ہے۔ایک طرف یہ سچائی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسری جانب اس چیز کی طرف جسے قانونا اور باضابطہ طور پر ہم اپنا کہہ سکتے ہیں۔

فرائض کا لغوی و اصطلاحی مفہوم: فرائض، فرض کی جمع ہے، فرض کے معنی ہیں واجب کرنا، مقرر کرنا۔یعنی فرائض وہ زمہ داریاں ہیں جو ایک فرد پر دوسرے فرد کی طرف واجب الادا ہیں۔

حقوق و فرائض باہم لازم وملزوم ہیں: ایک فرد کے حقوق دوسرے کے فرائض ہوتے ہیں۔

اسلام میں والدین کے حقوق: والدین سے حسنِ سلوک، اسلام کی اساسی تعلیم ۔۔ حقوق العباد میں سر فہرست ۔۔

ا۔والدین کی طرف احسان کرنا: قرآن حکیم نے والدین کے ساتھ مطلوبہ سلوک بیان کرنے کے لئے "احسان کی جامع اصطلاح استعمال کی، جس کے معنی 'کمال درجے کا حسن سلوک کے ہیں۔

وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا: اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔

بوڑھاپے میں والدین سے حسنِ سلوک اور خدمت کا خصوصی حکم:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيمًا (الاسرا ١٧:٢٣) "اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں "اُف" بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل ورسوا ہو)۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون ہے؟ حضور نے فرمایا کہ جس نے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم:2551)

۲۔والدہ سے حسنِ سلوک کی خصوصی تاکید:

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ۔۔ (الاحقاف:۱۵:۴۶) اور ہم نے آدمی کو حکم دیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں مشقت سے رکھا اور مشقت سے اس کو جنا اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے

۳۔والدین کی شکر گزاری اور احسان مندی: دل و زبان سے ان کے حقوق کا اعتراف کریں۔

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (لقمان ۳۱:۱۴) (اسے یہ حکم دیا) کہ تو میرا (بھی) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

۴۔معاشی و معاشرتی نگہداشت کا حق:

والدین سے حسن سلوک میں ان کی معاشی و معاشرتی نگہداشت اور اطاعت بھی شامل ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ (البقرہ ۲:۲۱۵) آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں: جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حق دار تمہارے ماں باپ ہیں۔

یہی تعلیم ہمیں احادیث مبارکہ میں ملتی ہے:

"حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے راوی ہیں کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس مال اور اولاد ہے اور میرے والد میرے مال کے محتاج ہیں، (پس میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کے ہیں، یقینا تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی سے ہے، لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ۔"

اور مندرجہ ذیل چیزوں سے پرہیز کریں:

۱۔ والدین کی نافرمانی اور ان کی ایذا رسانی سے۔ (لا طاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق) ۲۔ ان کی ناراضی اور ناخوشی سے۔

۳۔ اپنی بیوی اور اولاد کو ان پر فوقیت دینے سے۔ ۴۔ ان کی بددعا سے۔

۵۔ ان کو گالی دلانے کا سبب بننے سے، بایں طور کہ آپ کسی کے ماں باپ کو گالی دیں تو وہ پلٹ کر آپ کے ماں باپ کو گالی دے۔

بعد از وفات والدین کے حقوق :

حضرت ابو اسیدؓ کہتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ ماں باپ کی وفات کے بعد بھی کوئی چیز ایسی ہے جس کے ذریعے ان سے حسن سلوک کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ان کے لیے رحمت کی دعا کرنا، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا، ان کے بعد ان کی وصیت کو نافذ کرنا اور اس صلہ رحمی کو نبھانا جو صرف ماں باپ کے تعلق کی وجہ سے ہو، ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔ (سنن أبي داود: ۵۱۴۴)

چنانچہ بعد از وفات والدین کے درج ذیل حقوق اولاد پر عائد ہوتے ہیں:

(۱) دعائے مغفرت (۲) ایصال ثواب طاعت (۳) اکرام و اعانتِ اعزہ واحبہ واہل قرابت

(4) ادائے دَین وامانت (5) تنفیذ جائز وصیت (6) اوران کی قبر کی زیارت کرتے رہنا

(ماڈیول 2- 105: اولاد کے حقوق)

ا۔ زندگی کا حق: بچے کی زندگی کا آغاز مرحلہ جنین سے ہوتا ہے۔ اسلام نے اس مرحلے سے بچے کے لیے زندگی کے حق کو قانونی حیثیت عطا کی ہے۔ چونکہ اِستقرارِ حمل کے چار ماہ بعد رحم مادر میں موجود بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے، اِس وقت حمل ضائع کرنا، قتلِ انسانی کے مترادف ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

ارشاد ہے: **وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (الاسرا ۱۷:۳۱)**

اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں (بھی) روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

حُسنِ نام کا حق: بچہ کا یہ حق ہے اُس کا پیارا سا نام رکھا جائے۔ اسلام سے قبل عرب اپنے بچوں کے عجیب نام رکھتے تھے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نام ناپسند فرمائے اور خوبصورت نام رکھنے کا حکم دیا۔ امام طوسی روایت کرتے ہیں:

"ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! میرے اس بچے کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کا اچھا نام رکھ، اسے آداب سکھا اور اسے اچھی جگہ رکھ (یعنی اس کی اچھی تربیت کر)۔" (محمد بن احمد صالح، الطفل في الشريعة الاسلامية: ۷۴)

قیامت کے دن ناموں سے پکارا جائے گا۔ حضور نبی اکرم نے فرمایا: ''روزِ قیامت تم اپنے ناموں اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے اس لیے اپنے نام اچھے رکھا کرو۔'' (ابو داؤد، السنن، کتاب الأدب، باب في تغير الاسماء، 4 : 287، رقم: 4948)

پسندیدہ نام: حضرت ابو وہب جشمیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''انبیائے کرام کے ناموں پر اپنے نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں میں سے 'عبد اللہ' اور 'عبد الرحمٰن' زیادہ پسند ہیں۔ سب ناموں سے سچے نام 'حارث' اور 'ہمام' ہیں جب کہ سب سے برے نام 'حرب' اور 'مرہ' ہیں۔'' (ابو داؤد، رقم: 4950)

رضاعت کا حق: ''ماں کا بچہ کو دودھ پلانا رضاعت کہلاتا ہے۔'' فقہی اصطلاح میں بچہ کا پیدائش کے بعد پہلے دو سال میں ماں کا دودھ پینا رضاعت کہلاتا ہے۔

قرآن حکیم میں رضاعت کے احکامات کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرضاعة (البقرہ ۲ :۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔''

پرورش کا حق: بچوں کی پرورش کرنا باپ کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا (الطلاق، ۶۵:۷) ''صاحبِ وسعت کو اپنی وسعت (کے لحاظ) سے خرچ کرنا چاہئے، اور جس شخص پر اُس کا رِزق تنگ کر دیا گیا ہو تو وہ اُسی (روزی) میں سے (بطورِ نفقہ) خرچ کرے جو اُسے اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ اللہ کسی شخص کو مکلف نہیں ٹھہراتا مگر اسی قدر جتنا کہ اُس نے اسے عطا فرما رکھا ہے، اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش پیدا فرما دے گا۔''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ انہیں جوان ہونے تک کھلاتا پلاتا رہے تو وہ دونوں اسے جنت میں لے جائیں گی۔'' (ابن ماجۃ، السنن، کتاب الأدب، باب بر الولد، 2 : 1210، رقم: 3670)

تربیت کا حق:

بچوں کی اچھی تربیت کر کے انہیں اچھا، ذمہ دار اور مثالی مسلمان بنانا والدین کی ذمہ داری ہے۔ ان کی تربیت کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کی ہو جائے، اور جب وہ دس سال کی ہو جائے تو (نماز نہ پڑھنے پر) اُسے مارو، اور (دس سال کی عمر میں) انہیں الگ الگ سلایا کرو۔'' (ابو داؤد، السنن، کتاب الصلاۃ، باب متي يؤمر الغلام، 1 : 133، رقم: 495)

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرو اور انہیں ادب سکھاؤ۔'' (ابن ماجۃ: 3671)

شفقت و رحمت کا حق: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں: ''حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو چوما تو اَقرع بن حابس تمیمی جو کہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، نے کہا: میرے دس بچے ہیں، میں نے تو کبھی کسی کو نہیں چوما۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔'' (بخاري، الصحیح، کتاب الأدب، باب رحمۃ الولد، 5 : 2235، رقم: 5651)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بچوں سے محبت کرو اور ان پر رحم کرو، جب ان سے وعدہ کرو تو پورا کرو کیونکہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تم ہی اُنہیں رزق دیتے ہو۔''

عدل کا حق: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنھما روایت کرتے ہیں:

''اُن کے والد انہیں لے کر بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے، پھر عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے۔ فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایسا ہی دیا ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: تو پھر اس سے واپس لے لو۔'' (صحیح بخاری : 2446)

وراثت کا حق: فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماں کے پیٹ میں موجود حمل درج ذیل دو شرائط پوری کرنے کی صورت میں وارث بن سکتا ہے:

1۔ترکہ چھوڑنے والے کی موت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں موجود ہو کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہوتا ہے اور خلیفہ کے لیے موجود رہنا ضروری ہے۔
2۔وضعِ حمل کے وقت زندہ ہو کیونکہ وارث کا زندہ ہونا شرط ہے، مردہ انسان وارث نہیں بن سکتا۔ قرآن فرماتا ہے: یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ (النساء، ۴ :۱۱)
"اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے۔"

(ماڈیول 3- 106: اساتذہ کے حقوق)

تعلیم و تربیت شیوۂ پیغمبری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو قرآن کی تعلیم دی۔ اُستاد اور شاگرد تعلیمی نظام کے دو نہایت اہم عنصر ہیں۔
استاد کو یہ مقام حاصل ہے کہ ہادیٔ امت حضرت محمد ﷺ خود معلم بن کر تشریف لائے۔
قرآن حکیم میں ارشاد ہے: **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ (البقرہ ۲: ۱۲۹)**
"نبی ﷺ ان (لوگوں) کو کتاب و حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا تزکیہ و تربیت کرتے ہیں"

استاد کا ادب و احترام: شاگرد پر لازم ہے کہ وہ اُستاد کا احترام کرے اور اس کی ادنیٰ سی بے ادبی سے بھی اپنے آپ کو بچائے۔ استاد معلّم و مربی ہونے کے لحاظ سے باپ کے درجے میں ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہارے لیے بمنزلہ والد ہوں، تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔"
حضور نبی کریم کا ارشاد ہے کہ "تیرے تین باپ ہیں، ایک وہ تیرے دنیا میں آنے کا باعث بنا، یعنی والد، دوسرا وہ، جس نے تجھے اپنی بیٹی دی، یعنی سسر اور تیسرا وہ، جس نے تجھے علم و آگہی سے نوازا، یعنی استاذ۔"
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم سیکھو اور علم کے لیے ادب و احترام سیکھو، جس استاد نے تجھے علم سکھایا ہے اس کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرو۔ (المعجم الاوسط، حدیث ۶۱۸، ۴، ص ۳۴۲)

اساتذہ کا ادب و احترام: اس سلسلے میں ایک سبق آموز واقعہ سیدنا عبداللہ بن عباس کا ہے، جسے امام ابن عبد البر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں ذکر کیا ہے۔ نقل کرتے ہیں: ایک دفعہ سیدنا زید بن ثابت جو قرآن کے حافظ اور کتاب و سنت کے بہت بڑے عالم تھے، نے ایک جنازہ پڑھایا۔ واپسی کے لیے سواری لائی گئی تاکہ آپ اس پر سوار ہو جائیں، عبداللہ بن عباس آگے بڑھے اور سواری کی رکاب تھام لی، زید بن ثابت نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی! آپ ایسا نہ کریں۔ ابن عباس نے فرمایا: **هٰكَذَا يُفْعَلُ بِالْعُلَمَاءِ وَالْكُبَرَاءِ** علما اور بزرگوں کے ساتھ ایسے ہی کیا جاتا ہے۔ اس پر حضرت زیدؓ نے اُن کی دست بوسی کی۔۔ کہا: اھلِ بیت رسول ﷺ کے ساتھ ہم یوں معاملہ کرتے ہیں۔ امام شعبہ فرماتے ہیں: **كُلُّ مَنْ سَمِعْتُ مِنْهُ حَدِيثًا، فَأَنَا لَهُ عَبْدٌ** جس سے میں نے ایک حدیث پڑھی ہے، وہ میرا آقا اور میں اس کا غلام ہوں۔

حصولِ علم کیلیے خود چل کر جانا: ہارون الرشید نے معلم وقت امام مالک سے درخواست کی کہ وہ انہیں حدیث پڑھا دیا کریں۔ امام مالکؒ نے فرمایا: "علم کے پاس لوگ آتے ہیں۔ علم لوگوں کے پاس نہیں جایا کرتا۔ تم کچھ سیکھنا چاہتے ہو تو میرے حلقۂ درس میں آسکتے ہو۔ خلیفہ آیا اور حلقۂ درس میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ امام مالکؒ نے ڈانٹ پلائی اور فرمایا: "خدا کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان اور اہل علم کا احترام کیا جائے۔" یہ سنتے ہیں خلیفہ مؤدب کھڑا ہو گیا۔"

(ماڈیول4- 107: رشتہ داروں کے حقوق)

حسن سلوک وصلہ رحمی: حضور نبی اکرم ﷺ نے رشتہ داروں سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کی تعلیم دی۔ عرب معاشرہ جہاں خاندانی عصبیت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ نے اس عصبیت جاہلیہ کا قلع قمع کیا۔ قرآن حکیم میں اہل قرابت سے حسن سلوک کی کئی مقامات پر تاکید کی گئی ہے۔
وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (النسا ۴: ۳۶) "اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی

کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے) اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو (ان سے نیکی کیا کرو) بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو۔"

آپ ﷺ نے صلہ رحمی کو متوازن اور صحتمند معاشرتی زندگی کی بنیاد قرار دیا۔

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کو پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔"

"جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں داخل ہو گا۔"

"عبد اللہ بن اونی ﷺ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی رحمت اس قوم پر نہیں ہوتی جس میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔"

مالی امداد کا حق، نیز اُن سے کوتاہی ہو جائے تو معاف کیا جائے۔

اسلامی تعلیمات میں رشتہ داروں کے حقوق کا بجا اہتمام کیا گیا ہے۔ ان کے مالی حقوق سے متعلق کئی قرآنی آیات موجود ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (النور ۲۰: ۲۲) "اور تم میں سے (دینی) بزرگی والے اور (دنیوی) کشائش والے (اب) اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ (اس بہتان کے جرم میں شریک) رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی امداد نہ) دیں گے انہیں چاہئے کہ (ان کا قصور) معاف کر دیں اور (ان کی غلطی سے) درگزر کریں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

وراثت کا حق: قریبی رشتے داروں کا حق اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں متعین کر دیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرہ ۲: ۱۸۰) "تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آپہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیز گاروں پر لازم ہے۔"

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (النسا ۴: ۸)

اور اگر تقسیم (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو

ضرورت مند رشتہ داروں کا خیال: آپ ﷺ نے محروم المعیشت اقرباء اور رشتہ داروں کی معاشی بحالی پر بھی زور دیا اور معاشرے کے صاحب حیثیت افراد کو معاشی طور پر کمزور اقرباء کے اس حق کی ادائیگی کی تلقین فرمائی: "حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو طلحہ ﷺ سے فرمایا یہ (باغ) اپنے غریب اقارب کو دے دو، پس انہوں نے وہ حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب ﷺ کو دے دیا (جو ان کے چچازاد بھائی تھے)

(ماڈیول 5- 108: ہمسایوں کے حقوق)

حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق معاشرہ کے استحکام اور ترقی کا دار و مدار اس پر ہے کہ معاشرے کا ہر فرد خیر اور بھلائی کے امور میں ایک دوسرے کا مددگار بنے اور ان کا باہمی رابطہ ہمدردی، ایثار اور قربانی پر مبنی ہو۔

آپ ﷺ نے اس جذبے اور روایت کے فروغ کے لئے ہمسائے کے حقوق متعین فرمائے اور اس کے حقوق کی اتنی زیادہ اہمیت بیان فرمائی کہ وہ اپنے حقوق کی ادائیگی کے لحاظ سے قرابت داروں تک پہنچ گئی۔ ارشاد فرمایا: "جبرائیل مجھے ہمسائے کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال آنے لگا کہ شاید اسے وارث بنا دیا جائے گا۔"

ہمسائے سے حسن سلوک:

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (النسا ۴: ۳۶) "اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے) اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو (ان سے نیکی کیا کرو) بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو۔"

ہمسایوں کی اقسام:

۱۔ **رشتہ دار پڑوسی:** یہ وہ ہمسائے ہیں جو رشتہ دار بھی ہیں ان کا حق دیگر ہمسایوں کی نسبت مقدم ہے۔

۲۔ **اجنبی پڑوسی:** اس سے مراد وہ ہمسایہ ہے جو رشتہ دار نہیں ہے صرف ہمسایہ ہے اس کا درجہ پہلے والے سے کم ہے۔

۳۔ **ہم نشین یا پہلو کا ساتھی:** جس کے ساتھ دن رات کا اٹھنا بیٹھنا ہو اس اصطلاح کے مطابق ایک گھر یا عمارت میں رہنے والے مختلف لوگ دفتر، فیکٹری یا کسی ادارے میں اسکول و کالج میں پڑھنے والے طلباء دوست اور دیگر ملنے جلنے والے لوگ شامل ہیں

ایذا رسانی کی ممانعت: حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی کو ایمان کا حصہ قرار دیا۔ حضرت ابو شریح یہ روایت کرتے ہیں:

"حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ کون؟ فرمایا کہ جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں۔

حضرت ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے حق دار ہے۔" پڑوسی کا حق ہے کہ اسے پریشان نہ کیا جا ہے۔

تحائف کا تبادلہ: ہمسائے کے حقوق بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اس امر کی وضاحت بھی فرمادی کہ ہمسایہ کون ہے اور کس ہمسائے کے حقوق کو دوسروں کے حقوق پر فوقیت حاصل ہے۔

" حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں عرض گزار ہوئی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے دو ہمسائے ہیں۔ پس میں ان میں سے کس کے لئے تحفہ بھیجا کروں؟ فرمایا کہ ان میں سے جو دروازے کے لحاظ سے تمہارے زیادہ قریب ہے"

اللہ اور اُسکے رسول ﷺ سے سچی محبت کی علامات: حضرت عبد الرحمن بن ابی قرادؓ فرماتے ہیں ایک دن نبی کریم ﷺ نے وضوء فرمایا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے آپ کے وضوء کا پانی لے کر اپنے بدن اور چہرے وغیرہ پر ملنے لگے جب سرکار دو عالم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس عمل پر تمھیں کون سی چیز آمادہ و برانگیختہ کر رہی ہے تو ایسا کیوں کر رہے ہو تو صحابہ کرام کا جواب تھا کہ بس اللہ اور اس کے رسول کی محبت تب آپ نے ارشاد فرمایا سنو جو شخص یہ پسند کرتا ہو اور جس کی یہ خواہش ہو کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت نصیب ہو جائے یا یہ کہ اللہ و رسول کو اس سے محبت ہو تو اسے تین باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے: جب بات کرے تو سچ بولے جب کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو امانت داری کے ساتھ اس کو ادا کرے، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

لیکچر نمبر 26: اسلامی تہذیب و ثقافت – IV

(ماڈیول 1- 109: یتیموں، بیواؤں، غرباء اور محتاجوں کے حقوق)

نبی اکرم ﷺ نے یتیم کی کفالت کرنے والے کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح نزدیک ہوں گے اور آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعے یہ بات بتائی۔"

قرآن حکیم میں یتیموں کے حقوق کو بڑے جامع انداز سے بیان کیا گیا:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (البقرہ ۲: ۲۲۰) "اور وہ (لوگ) تم سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں (ان سے) کہو (جس بات میں) ان (یتیموں) کی اصلاح (اور بہتری) ہے، وہ تمہارے لئے بھی بہتر ہے، اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی بند ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں سخت مشکل میں ڈالتا۔ وہ اختیار والا اور حکمت والا ہے۔"

اس ایک آیت میں یتیموں کے وہ تمام حقوق بیان کئے گئے ہیں جو معاشرے پر عائد ہوتے ہیں:

والد کی طرف سے میراث میں ملنے والے مال و اسباب کی حفاظت کرنا، اُن کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنا، سن شعور کو پہنچنے کے بعد اُن کے مال و اسباب کا اُن کے حوالے کرنا اور انہیں اِس کا مالک بنانا اور بالغ ہونے کے بعد اُن کی شادی بیاہ کی مناسب فکر کر کے کسی اچھی جگہ اُن کا رشتہ طے کرنا

اسلام کی وہ زرّیں اور روشن تعلیمات ہیں جن کا اُس نے ہر ایک مسلمان شخص کو پابند بنایا ہے۔ جب کسی بچے کا باپ مر جائے تو چاہیے کہ چند مسلمانوں کے روبرو یتیم کا مال لکھ کر امانت دار کو سونپ دیں، جب یتیم بالغ ہوشیار ہو جائے تو اِس تحریر کے موافق اُس کا مال اُس کے حوالے کر دیں۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (النسا ۴: ۵)

"تم اپنے مال کو نادان اور کم عمر لوگوں کے حوالے نہ کر دو (کیونکہ) تمہارا مال و دولت اللہ تعالی نے تمہارے لئے معیشت و زیست کا سامان بنایا ہے، ہاں انہیں (کم سنی کے زمانے میں) ان کے مال میں سے کھانے کو دو، پہننے کو دو اور انہیں نیک اور عمدہ تعلیم دو۔"

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النسا ۴: ۱۰)

"بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے"

یتیموں کی عزت اور شفقت و رحمت: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ: "یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔" (مسند احمد: 7577)

حضرت بشیر بن عقربہ جہنیؓ فرماتے ہیں کہ جنگ اُحد کے دن میری حضور اکرم ﷺ سے ملاقات ہوئی، میں نے پوچھا میرے والد کا کیا ہوا؟ "حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ تو شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے۔" میں یہ سن کر رونے لگ پڑا۔ حضور ﷺ نے مجھے پکڑ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ اپنی سواری پر سوار کر لیا اور فرمایا کہ: "کیا تم اِس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا باپ بن جاؤں اور عائشہؓ تمہاری ماں (شعب الایمان للبیہقی: 10533)

بیواؤں کی بھلائی اور خیر خواہی کی تعلیم: اسلام سے قبل جب کوئی عورت بیوہ ہو جاتی تو مرنے والے کے رشتہ دار اسے مال وراثت سمجھ کر اس پر قابض ہو جاتے اور اسے وراثت و دیگر حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا۔ اس طرح عرب میں بیواؤں سے نکاح کو پسند نہ کیا جاتا تھا جس سے وہ معاشی و سماجی عدم تحفظ کا شکار رہتیں۔ آپ ﷺ نے خود بیوہ عورتوں سے نکاح فرما کر اس رسم بد کا خاتمہ کیا۔ آپ ﷺ ان کے حقوق کی ادائیگی کی فضیلت کو یوں بیان فرمایا:

"بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔"

اسلام میں غریبوں اور محتاجوں کے حقوق: حضور اکرم ﷺ نے غریبوں اور محتاجوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ جب بھی غریبوں اور محتاجوں کو کسی تکلیف میں مبتلا دیکھتے، تو جب تک ان کی تکلیف کا ازالہ نہ ہو جاتا آپ مطمئن نہ ہوتے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر غریبوں اور محتاجوں کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا کہ معاشرے کے صاحب حیثیت افراد پر ان کی معاشی بحالی کا حق ہے جس کی ادائیگی اہل ایمان کے لئے ضروری ہے:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (البقرہ ۲: ۲۱۵)

" آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں، فرمادیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں۔"

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۔(النسا ۴: ۸)

"اور اگر تقسیم (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو"

یہی تعلیم احادیث مبارکہ میں بھی دی گئی:

" حضرت حذیفہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس اس کی روح قبض کرنے فرشتہ آیا تو اس سے کہا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیکی کی ہے وہ بولا میں نہیں جانتا اس سے کہا گیا غور تو کر بولا اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتا کہ میں لوگوں سے تجارت کرتا تھا۔ اور جب ان سے قرض کا تقاضا کرنا ہوتا تو امیر کو مہلت دے دیتا اور غریب کو معافی چنانچہ اللہ نے اسے جنت میں داخل فرمادیا۔"

"حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر سے اس نے کہہ رکھا تھا کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس تقاضا کو جائے تو اسے معاف کر دے ہو سکتا ہے کہ اللہ ہم کو معافی دے دے فرمایا کہ وہ اللہ سے ملا تو رب نے اس سے در گزر فرمائی۔"

"حضرت ابو قتادہ ﷺ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چاہے کہ اللہ اسے روز قیامت کی تکالیف سے نجات دے تو اسے چاہیے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی"۔

"حضرت ابوالیسر ﷺ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو کسی تنگدست کو مہلت یا معافی دے تو اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔"

(ماڈیول 2- 110: معذور اور عمر رسیدہ افراد کے حقوق)

معذور اَفراد انسانی معاشرے کا وہ حصہ ہیں جو عام افراد کی نسبت زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ کوئی بھی مہذب معاشرہ معذوروں کو نظر انداز کرنے یا انہیں معاشرے میں قابلِ احترام مقام سے محروم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسلام تکریم انسانیت کا علمبر دار دین ہے۔ چونکہ معذور افراد معاشرے میں اپنی شناخت اور وقار کے لیے خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں، اس لیے اسلام نے اس بارے میں خصوصی تعلیمات عطا کی ہیں۔ یہاں یہ امر واضح رہے کہ وہ تمام حقوق جو عام اَفرادِ معاشرہ کو میسر ہیں معذور افراد بھی معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے ان حقوق کے مستحق ہیں۔ تاہم عام افراد کو میسر حقوق کے علاوہ اسلام نے معذوروں کو جو حقوق عطا فرمائے ہیں ان کی تفصیل یوں ہے۔

خصوصی توجہ کا حق: اسلام نے زندگی کے معاملات میں ہر فرد کو بلا تمیزِ رنگ و نسل یا سماجی مرتبہ کے مساوی حیثیت عطا کی ہے۔ یہ عام معاشرتی رویہ ہے کہ معذور افراد کو زندگی کے عام معاملات اور میل جول میں نظر انداز کرنے کی روش اختیار کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس روش کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے نفس انسانیت کو مستحق عزت و وقار قرار دیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤسائے مشرکین کو تبلیغ فرما رہے تھے کہ اتنے میں نابینا

صحابی حضرت عبد اللہ بن اُمِ مکتومؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوسروں سے مصروفِ گفتگو ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے تو اس پر درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ۔ أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ۔ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ (عبس ۸۰: ۱-۴)

"ان کے چہرۂ (اقدس) پر ناگواری آئی اور رخِ (انور) موڑ لیا اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا (جس نے آپ کی بات کو ٹوکا) اور آپ کو کیا خبر شاید وہ (آپ کی توجہ سے مزید) پاک ہو جاتا یا (آپ کی) نصیحت قبول کرتا تو نصیحت اس کو (اور) فائدہ دیتی"

اِن آیاتِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے اُمت کو یہ تعلیم دی گئی کہ: معذور افراد دیگر افرادِ معاشرہ کی نسبت زیادہ توجہ کے مستحق ہیں، دوسرے افراد کو ان پر ترجیح دیتے ہوئے انہیں نظر انداز نہ کیا جائے۔

عزت و وقار کے مرتبے کا تعین سماجی یا معاشرتی حیثیت کو دیکھ کر نہ کیا جائے بلکہ اس کے لیے ذاتی کردار، تقویٰ، اصلاح طلبی اور نیکی کے جذبے کو معیار بنایا جائے۔

قانونِ معاشرت کے نفاذ میں اِستثناء کا حق: اسلام نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشرتی زندگی کے لیے بھی قانون اور نظام عطا کیا ہے۔ روزمرہ کے رہن سہن اور رشتہ داروں و دوست احباب کے گھروں میں آنے جانے کے لیے واضح ضابطے عطا کیے گئے ہیں۔ تاہم یہ امر قابلِ غور ہے کہ قرآن حکیم میں معذوروں کو ان ضوابط سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے:

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُم مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (النور ۲۴: ۶۱) ترجمہ: "اندھے پر کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے (کوئی مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (کھانا) کھا لو یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں (یعنی جن میں ان کے مالکوں کی طرف سے تمہیں ہر قسم کے تصرف کی اجازت ہے) یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (کھانا کھا لینے میں مضائقہ نہیں)، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سب کے سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے (گھر والوں) پر سلام کہا کرو (یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت پاکیزہ دعا ہے، اس طرح اللہ اپنی آیتوں کو تمہارے لئے واضح فرماتا ہے تاکہ تم (احکامِ شریعت اور آدابِ زندگی کو) سمجھ سکو۔"

جہاد اور دِفاعی ذِمّہ داریوں سے اِستثناء کا حق: قرآن حکیم نے اسلامی ریاست کے فروغ اور غلبہ دین حق کی جدوجہد کے لیے جہاد میں حصہ لینے کو ایمان و استقامت کی جانچ کے معیار کے طور پر بیان کیا اور اس بنیادی ذمہ داری سے راہِ فرار اختیار کرنے کو عذاب الیم کا سبب قرار دیا۔ تاہم معذور اَفراد کو اس کلیدی اور بنیادی ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار دیا گیا:

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا (الفتح ۴۸: ۱۷)

"(جہاد سے رہ جانے میں) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ (ہی) بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرے گا وہ اسے بہشتوں میں داخل فرما دے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی، اور جو شخص (اطاعت سے) منہ پھیرے گا وہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا"

احکام شریعت میں شرعی عذر کے حاملین کو خصوصی رعایت و سہولت: مسلسل پیشاب آنے یا ہوا، ریح پر قابو نہ ہونے کا مسلسل خون بہنے جیسی معذوری میں وضو کرنے میں رعایت دی گئی ہے۔ زخمیوں کو تیمم اور مسح کی اجازت ہے۔

اسلام میں عمر رسیدہ افراد کے حقوق: اسلامی معاشرے میں عمر رسیدہ افراد خصوصی مقام کے حامل ہیں۔ اس کی بنیاد اسلام کی عطا کردہ وہ آفاقی تعلیمات ہیں جن میں عمر رسیدہ اَفراد کو باعثِ برکت و رحمت اور قابلِ عزت و تکریم قرار دیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزرگوں کی عزت و تکریم کی تلقین فرمائی اور بزرگوں کا یہ حق قرار دیا کہ کم عمر اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا احترام کریں اور ان کے مرتبے کا خیال رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔‘‘

سماجی معاملات میں تکریم کا حق: عام سماجی و معاشرتی معاملات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑوں کی تکریم کرنے کی تعلیم دی۔ ’’حضرت عبد اللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنھم خیبر پہنچے تو وہ دونوں باغات میں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ (دریں اثنا) عبد اللہ بن سہل قتل کر دیئے گئے تو عبد الرحمٰن بن سہل اور مسعود کے بیٹے حویصہ اور محیصہ رضی اللہ عنھم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنے ساتھی کے معاملہ میں انہوں نے گفتگو کی تو عبد الرحمن نے ابتدا کی جب کہ وہ سب سے چھوٹے تھے۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’بڑے کے مرتبے اور عزت کا خیال رکھو۔‘‘

اللہ تعالیٰ بھی سفید ریش بوڑھے مسلمان کا حیاء فرماتا ہے۔

سہولیاتِ زندگی کی فراہمی میں ترجیح کا حق: اسلام عمر رسیدہ اَفراد کو زندگی کی سہولیات کی فراہمی میں ترجیح کا حق بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ حق قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (القصص ٢٨: ٢٢-٢٤) اور جب وہ مدیَن کی طرف رخ کر کے چلے (تو) کہنے لگے: امید ہے میرا رب مجھے (منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے) سیدھی راہ دکھا دے گا، اور جب وہ مَدیَنؔ کے پانی (کے کنویں) پر پہنچے تو انہوں نے اس پر لوگوں کا ایک ہجوم پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان سے الگ ایک جانب دو عورتیں دیکھیں جو (اپنی بکریوں کو) روکے ہوئے تھیں (موسٰی علیہ السلام نے) فرمایا: تم دونوں اس حال میں کیوں (کھڑی) ہو؟ دونوں بولیں کہ ہم (اپنی بکریوں کو) پانی نہیں پلا سکتیں یہاں تک کہ چرواہے (اپنے مویشیوں کو) واپس لے جائیں، اور ہمارے والد عمر رسیدہ بزرگ ہیں،

برکت اکابر سے ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ میں ہے: ’’تمہارے بڑوں کے ساتھ ہی تم میں خیر و برکت ہے۔‘‘

حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’مجھے اپنے ضعیف لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ ضعیف لوگوں کے سبب تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔‘‘ حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’ادھیڑ عمر کے لوگوں سے بھلائی حاصل کرو اور نوجوانوں پر رحم کرو۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ام سعد کے بیٹے! تیری ماں تجھے گم کرے، تمہیں تمہارے بوڑھوں کے سبب ہی رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔‘‘

اِستطاعت سے زیادہ بوجھ سے اِستثناء کا حق: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے کیونکہ ان میں کمزور، بیمار، اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی تنہا نماز پڑھے تو جتنا چاہے طول دے۔“

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ ایسے بوڑھے مسلمان کو عطا نہ کرنے سے حیا کرتا ہے جو اِستقامت کے ساتھ سنت پر عمل پیرا ہو اور اللہ سے سوال کرے۔“

سو دنیا و آخرت کی فلاح بزرگوں کی عزت و تکریم اور خدمت میں ہے۔ اگر انسان معمر اَفراد کی توقیر نہیں کرتا تو آغاز میں دی گئی حدیث مبارکہ کے مصداق حضور نبی اکرم ﷺ کے گروہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ہر لحظہ معمر اَفراد کی خدمت کریں اور ان کے حقوق ادا کریں۔

(ماڈیول 3- 111: اسلام میں خواتین کے حقوق (حقوق نسواں)

اسلام میں نا صرف خواتین کے حقوق مقرر کئے گئے ہیں بلکہ ان کے مقام و مرتبے کو حقیقتاً تسلیم کیا گیا ہے۔

حقِ زندگی۔ پرورش کا حق۔ تعلیم کا حق۔ نکاح کا حق۔ مہر کا حق۔ نان و نفقہ کا حق۔ کاروبار اور عمل کی آزادی۔ مال و جائداد کا حق۔ عزت و آبرو کا حق (حسنِ معاشرت و حسنِ سلوک)۔ تنقید و احتساب کا حق۔

عصمت وعفت کا حق: معاشرے میں عورت کی عزت و احترام کو یقینی بنانے کے لیے اس کے حق عصمت کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلام نے عورت کو حق عصمت عطا کیا اور مردوں کو بھی پابند کیا کہ وہ اس کے حق عصمت کی حفاظت کریں:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ-(النور ۲۴: ۳۰)

يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ(النور ۲۴: ۵۸) ”اے ایمان والو! چاہیے کہ تمہارے زیر دست (غلام اور باندیاں) اور تمہارے ہی وہ بچے جو (ابھی) جوان نہیں ہوئے (تمہارے پاس آنے کے لئے) تین مواقع پر تم سے اجازت لیا کریں: (ایک) نمازِ فجر سے پہلے، اور (دوسرے) دوپہر کے وقت جب تم (آرام کے لئے) کپڑے اتارتے ہو اور (تیسرے) نمازِ عشاء کے بعد (جب تم خواب گاہوں میں چلے جاتے ہو)، (یہ) تین (وقت) تمہارے پردے کے ہیں، ان (اوقات) کے علاوہ نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر (کیونکہ بقیہ اوقات میں وہ) تمہارے ہاں کثرت کے ساتھ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، اِسی طرح اللہ تمہارے لئے آیتیں واضح فرماتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے“

تعلیم و تربیت کا حق: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کی تعلیم و تربیت کو اتنا ہی اہم اور ضروری قرار دیا ہے جتنا کہ مردوں کی۔ اسلامی معاشرے میں یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ کوئی شخص لڑکی کو لڑکے سے کم درجہ دے کر اس کی تعلیم و تربیت نظر انداز کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔“

ایک دوسرے موقع پر حصولِ علم میں ہر طرح کے امتیاز اور تنگ نظری کو مٹانے کی خاطر فرمایا: ”علم اور عقل کی بات مؤمن کا گمشدہ مال ہے، پس جہاں بھی اسے پائے اسے حاصل کرنے کا وہ زیادہ حق دار ہے۔“

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اگر کسی شخص کے پاس ایک لونڈی ہو پھر وہ اسے تعلیم دے اور یہ اچھی تعلیم ہو۔ اور اس کو آداب مجلس سکھائے اور یہ اچھے آداب ہوں۔ پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس شخص کے لیے دوہرا اجر ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل من أسلم، 3 : 1096، رقم: 2849)

یعنی ایک اجر تو اس بات کا کہ اس نے اسے اچھی تعلیم دی اور اچھے آداب سکھائے اور دوسرا اجر اس امر کا کہ اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا اور اس طرح اس کا درجہ بلند کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام اگر باندیوں تک کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کو کارِ ثواب قرار دیتا ہے تو وہ آزاد لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیم سے محروم رکھے جانے کو کیونکر گوارا کر سکتا ہے۔

حسنِ سلوک کا حق: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی اور زندگی کے عام معاملات میں عورتوں سے عفو و درگزر اور رافت و محبت پر مبنی سلوک کی تلقین فرمائی۔

" "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے، اور عورتوں کے ساتھ نیکی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کر لو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئیں ہیں۔ اور سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کے حال پر چھوڑے رہو گے تب بھی ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی پس عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کر لو۔" (بخاري، الصحيح، کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء، 5 : 1987، رقم:4890)

ملکیت اور جائیداد کا حق: اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حق ملکیت عطا کیا۔ وہ نہ صرف خود کما سکتی ہے بلکہ وراثت کے تحت حاصل ہونے والی املاک کی مالک بھی بن سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النسا ۴: ۳۲) "مردوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔"

عورت کا حق ملکیت طلاق کی صورت میں بھی قائم رہتا ہے۔ طلاق رجعی کے بارے میں ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ اگر شوہر نے ایسی بیماری جس میں ہلاکت کا خطرہ ہو، کے دوران میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر دورانِ عدت اسی بیماری سے مر گیا تو بیوی اس کی وارث ہو گی اور اگر بیوی مر گئی تو شوہر اُس کا وارث نہیں ہو گا۔ یہی رائے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بھی مروی ہے۔ (ابن قدامہ، المغني، 6 : 329)

حرمتِ نکاح کا حق: اسلام نے عورتوں کے حقوق نمایاں کرتے ہوئے بعض رشتوں سے نکاح حرام قرار دیا اور اس کی پوری فہرست گنوا دی۔ ارشادِ ربانی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالاَتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللاَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللاَّتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللاَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُواْ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلاَئِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلاَبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُواْ بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إَلاَّ مَا قَدْ سَلَفَ.(النسا ۴: ۲۴) "تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں سب حرام کر دی گئی ہیں۔ اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر ان کی (لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے کہ) تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے جو دور جہالت میں گزر چکا۔"

شادی کا حق: اسلام سے قبل عورتوں کو مردوں کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا اور انہیں نکاح کا حق حاصل نہ تھا۔ اسلام نے عورت کو نکاح کا حق دیا کہ جو یتیم ہو، باندی ہو یا مطلقہ، شریعت کے مقرر کردہ اُصول وضوابط کے اندر رہتے ہوئے اُنہیں نکاح کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْاْ بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ ۲: ۲۳۲) "اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو۔"

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (البقره ۲: ۲۳۴) "اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں پھر جب وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آپہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مواخذہ نہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبر دار ہے"

وَآتُواْ النَّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا (النسا ۴:۴) "اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مہر) میں سے کچھ تمہارے لیے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لیے) ساز گار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ''

اگرچہ کئی معاشرتی اور سماجی حکمتوں کے پیش نظر اسلام نے مردوں کو ایک سے زائد شادیوں کا حق دیا، مگر اسے بیویوں کے مابین عدل و انصاف سے مشروط ٹھہرایا اور اس صورت میں جب مرد ایک سے زائد بیویوں میں عدل قائم نہ رکھ سکیں، اُنہیں ایک ہی نکاح کرنے کی تلقین کی:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلاَّ تَعُولُواْ (النسا ۴: ۳) "اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو"

خیارِ بلوغ کا حق: نابالغ لڑکی یا لڑکے کا بلوغت سے قبل ولی کے کیے ہوئے نکاح کو بالغ ہونے پر رد کر دینے کا اختیار 'خیارِ بلوغ' کہلاتا ہے۔ اسلام نے خواتین کو ازدواجی حقوق عطا کرتے ہوئے خیارِ بلوغ کا حق عطا کیا جو اسلام کے نزدیک انفرادی حقوق کے باب میں ذاتی اختیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ احناف کے نزدیک اگر کسی ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا ہو تو وہ لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے پر خیارِ بلوغ کا حق استعمال کر کے نکاح ختم کر سکتے ہیں۔

بیویوں کو دیے گئے تحائف واپس نہ لیے جائیں: قرآن حکیم نے مردوں کو نہ صرف عورت کی ضروریات کا کفیل بنایا بلکہ اُنہیں تلقین کی کہ اگر وہ مہر کی شکل میں ڈھیروں مال بھی دے چکے ہوں تو واپس نہ لیں، کیونکہ وہ عورت کی ملکیت بن چکا ہے:

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلاَ تَأْخُذُواْ مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيناً (النسا ۴: ۲۰) "اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم بہتان تراشی کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال واپس لو گے۔"

(ماڈیول4-112: اقلیتوں (غیر مسلموں) کے حقوق)

اسلام شرفِ اِنسانیت کا علمبردار دین ہے۔ ہر فرد سے حسن سلوک کی تعلیم دینے والے دین میں کوئی ایسا اصول یا ضابطہ روا نہیں رکھا گیا جو شرف انسانیت کے منافی ہو۔ دیگر طبقات معاشرہ کی طرح اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے، جن کا ایک مثالی معاشرے میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کی اساس معاملات دین میں جبر و اکراہ کے عنصر کی نفی کر کے فراہم کی گئی:

لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىَ لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (البقره ۲: ۲۵۶)

اہل نجران کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی درج تھا: "نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی

حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔"

مختلف ادوار میں گرجاگھر اور کلیسے اسلامی حکومت میں موجود رہے ہیں۔ کبھی بھی انہیں ادنیٰ گزند تک نہیں پہنچائی گئی بلکہ حکومت نے ان کی حفاظت کی ہے اور غیر مسلموں کو ان میں عبادات کی انجام دہی کے لیے سہولیات فراہم کی ہیں۔

اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس کا اندازہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے ہوتا ہے

خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اُس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔

قانون کی نظر میں اقلیتوں کا مساوی مقام: امام ابو یوسف اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کتاب الخراج" میں لکھتے ہیں کہ عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں تعزیرات اور دیوانی قانون دونوں میں مسلمان اور غیر مسلم اقلیت کا درجہ مساوی تھا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک دفعہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصاص کے طور پر اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا: "غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل درآمد کے بے شمار نظائر دور خلافت راشدہ میں بھی ملتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک مسلمان کو پکڑ کر لایا گیا جس نے ایک غیر مسلم کو قتل کیا تھا۔ پورا ثبوت موجود تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ نے قصاص میں اس مسلمان کو قتل کیے جانے کا حکم دیا۔ قاتل کے ورثاء نے مقتول کے بھائی کو معاوضہ دے کر معاف کرنے پر راضی کر لیا۔ حضرت علیؓ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے اسے فرمایا: "شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرا دھمکا کر تجھ سے یہ کہلوایا ہو۔"

اس نے کہا نہیں بات دراصل یہ ہے کہ قتل کیے جانے سے میرا بھائی تو واپس آنے سے رہا اور اب یہ مجھے اس کی دیت دے رہے ہیں، جو پسماندگان کے لیے کسی حد تک کفایت کرے گی۔ اس لیے خود اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے میں معافی دے رہا ہوں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا اچھا تمہاری مرضی۔ تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔ لیکن بہر حال ہماری حکومت کا اُصول یہی ہے کہ جو ہماری غیر مسلم رعایا میں سے ہے اس کا خون اور ہمارا خون برابر ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہی کی طرح ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص والی مصر کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔ خلیفۂ وقت امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو اُنہوں نے سرِعام گورنر مصر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا: "تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔"

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، اس پر" آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کیا جائے۔ اگر وہ چاہیں قتل کر دیں ورنہ معاف کر دیں۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارث کو دے دیا گیا اور اس نے اسے قتل کر دیا۔"

قانون کے نفاذ میں مساوات کا حق: اسلامی ریاست میں تعزیرات میں ذمی اور مسلمان کا درجہ مساوی ہے۔ دیوانی قانون میں بھی ذمی اور مسلمان کے درمیان کامل مساوات ہے۔ حضرت علیؓ کے ارشاد اموالھم کاموالنا کے معنی ہی یہ ہیں کہ ان کے مال کی ویسی ہی حفاظت ہونی چاہیے جیسی مسلمانوں کے مال کی ہوتی ہے۔ اس باب میں ذمیوں کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان کی شراب یا ان کے خنزیر کو بھی تلف کر دے تو اس پر ضمان لازم آئے گا۔ در المختار میں ہے: "مسلمان اس کی شراب اور اس کے سور کی قیمت ادا کرے گا اگر وہ اسے تلف کر دے۔"

ذمی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا یا اس کی غیبت کرنا، اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں ناجائز ہے۔

"غیر مسلم سے اذیت کو روکنا اسی طرح واجب ہے جس طرح مسلمان سے اور اس کی غیبت کرنا بھی اسی طرح حرام ہے۔"

نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق: مملکت اسلامیہ میں ہر فرد کو نجی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے کہ کوئی شخص بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے اس کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ہر شخص کا مکان نجی اور پرائیویٹ معاملات کا مرکز اور اس کے بال بچوں کا مستقر ہوتا ہے۔ اس حق پر دست درازی خود فرد کی شخصیت پر دست درازی ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں۔ گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کی صریح ممانعت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (النور ۲۴: ۲۷، ۲۸) ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے o پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو وہاں داخل نہ ہو جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔“

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق اسی طرح حاصل ہے جس طرح مسلمانوں کو۔ اس لیے کہ اسلامی قانون نے ان کے لیے یہ اُصول طے کیا ہے کہ جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ ان کو بھی حاصل ہوں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر ڈالی گئی ہیں وہ ان پر بھی ہیں۔ حضرت علیؓ کے بقول ان سے جزیہ اس لیے لیا جاتا ہے تاکہ ان کے جان و مال کی اسی طرح حفاظت کی جاسکے جس طرح ہمارے جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے۔

دعوتِ حق دی جائے گی مگر جبر و اکراہ نہیں: اسلام خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دیتا ہے لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں پر اپنے عقائد بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لیے دباؤ نہیں ڈالتا، نہ کسی جبر و اکراہ سے کام لیتا ہے۔

دعوتِ حق اور جبر و اکراہ بالکل الگ حقیقتیں ہیں۔ اسلام کے پیغام حق کے ابلاغ کا قرآنِ حکیم نے یوں بیان کیا:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (النحل ۱۶: ۱۲۵) (اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے

اجتماعی کفالت میں اقلیتوں کا حق: حضرت زید بن ہادؓ سے روایت ہے: ”بے شک ام المومنین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے رشتہ داروں کو صدقہ دیا حالانکہ وہ دونوں یہودی تھے جو تیس ہزار (درہم) کے عوض فروخت کیا گیا۔“

غیر مسلم اقلیتوں کے معذور افراد کو اسلامی بیت المال سے باقاعدہ الاؤنس ملتا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک یہودی کو دیکھا جو اندھا ہو چکا تھا تو آپ نے اس کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر فرمادیا۔

اجتماعی کفالت کے حق اور حقوق عامہ میں اسلامی حکومت کی نگاہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ بالکل برابر کے شہری ہیں۔

روزگار کی آزادی کا حق: اسلامی مملکت میں اقلیتوں سمیت ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ تجارت، صنعت وزراعت غرضیکہ جو کام بھی وہ کرنا چاہے کر سکتا ہے، بشرطیکہ ان چیزوں کے قریب نہ جائے، جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

اور جائز حدود میں بھی اخلاقی قدروں کا لحاظ رکھے، اپنے کام کی وجہ سے کسی دوسرے کی تجارت یا صنعت کے درپے آزار نہ ہو۔ یہ اسلامی شریعت میں ناجائز ہے۔ جب فرد جائز کام کرے گا تو اس کا حاصل اور ثمر اس کا حق ہو گا، اس لیے کہ یہ اس کی محنت اور پسینہ کی کمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **وَ أَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۵۳: ۳۹)** ”اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے“

تحفظ اور سلامتی کا حق: اسلامی ریاست اقلیتوں کے تحفظ اور سلامتی کی ذمہ دار ہے۔ اگر اسلامی ریاست کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ ہو تو اس قوم کے تحفظ و سلامتی کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر ہو گی:

وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النسا ۴: ۹۲) "اور اگر وہ (مقتول) تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ مومن (بھی) ہو تو (صرف) ایک غلام / باندی کا آزاد کرنا (ہی لازم) ہے اور اگر وہ (مقتول) اس قوم میں سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہے تو خون بہا (بھی) جو اس کے گھر والوں کے سپرد کیا جائے اور اور ایک مسلمان غلام / باندی کا آزاد کرنا (بھی لازم) ہے۔"

اقلیتوں کی جان کی حرمت حضور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتی ہے: "یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔"

اقلیتوں کو تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق: نکاح محرمات بھی اگر ان کی ثقافت کا حصہ ہو تو اسے بھی گوارا کیا جائے۔ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ خلفائے راشدین نے اہل ذمہ کو نکاح محرمات کی کیوں اجازت دے دی تھی اور شاید آپ اس پر پابندی لگانا چاہتے تھے۔ کیونکہ یہ فعل شناعت کے اعتبار اس قدر شنیع ہے کہ فطرت سلیمہ اسے ہرگز قبول نہیں کرتی۔ جواب میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: "انہوں نے جزیہ اس لیے دیا ہے کہ انہیں ان کے اعتقادات پر چھوڑ دیا جائے اور آپ تو خلفائے راشدین کی پیروی کرنے والے ہیں نہ کہ نئی راہ بنانے والے۔"

اسلامی ریاست میں سوائے حرم کے وہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ترک سکونت کا بھی انہیں اختیار ہے۔ حرم سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور اس میں مشرک کے داخلہ پر پابندی نص سے ثابت ہے اس لیے وہ وہاں نہ رہ سکیں گے۔ اسلامی معاشرے میں مسلمانوں پر بھی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اقلیتوں سے نیکی، انصاف اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کریں۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الممتحنة ۶۰: ۸)

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اقلیتوں کی حفاظت اِسلامی رِیاست کی ذِمّہ داری ہے۔ اسلامی ریاست اقلیتوں کو جان و مال اور آبرو کا تحفظ فراہم کرتے ہے اور ان پر کوئی دفاعی ذمہ داری بھی عائد نہیں کرتی۔ لہٰذا اس کے عوض اقلیتیں اسلامی ریاست کو مالیاتی طور پر contribute کرتے ہیں جسے اسلامی قانون میں جزیہ کہا گیا ہے۔ نفاذِ جذیہ میں عدل و انصاف۔ حضرت عمرؓ نے امرائے لشکر کو لکھا: "عورتوں اور بچوں پر جزیہ عاید نہ کریں اور صرف ان مردوں پر جزیہ عاید کریں، جن کے بال اگ آئے ہوں (بالغ ہو گئے ہوں)۔"

حضرت عمر کا بوڑھے نابینا یہودی کو بھیک مانگتا دیکھ کر استفسار: تمہیں اس پر کس بات نے مجبور کیا؟ اس نے کہا کہ بوڑھا ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے اور اسے اپنے گھر سے کچھ دیا، پھر اسے بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے اور لوگوں کا خیال رکھو اور ان سے جزیہ لینا موقوف کر دو۔ کیونکہ یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم نے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا اور اب بڑھاپے میں ان کو اس طرح رسوا کریں۔"

جزیہ کی مقدار مقرر کرنے میں بھی ذمیوں پر تشدد کرنا ممنوع ہے۔ حضرت عمرؓ کی وصیت ہے: **لا يكلفوا فوق طاقتهم**۔ جتنا مال دینا ان کی طاقت سے باہر ہو انہیں اس کے ادا کرنے کی تکلیف نہ دو۔

جزیہ کے عوض ان کی املاک کا نیلام نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت علیؓ کی اپنے عامل کو بھیجتے وقت نصیحت: "ان کے جاڑے گرمی کے کپڑے اور ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں خراج وصول کرنے کی خاطر نہ بیچنا۔ نہ کسی کو درہم وصول کرنے کے لیے کوڑے مارنا، نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا اور نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا کیوں کہ ہم، جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں، ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف عمل کیا تو میری بجائے اللہ تمہیں سزا دے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔"

لیکچر نمبر 27: اسلام کا اقتصادی نظام

(ماڈیول 1- 113: اسلامی نظام معیشت کے بنیادی مباحث کا تعارف)

اسلامی معاشیات کا تعارف: معاشیات کا لفظ معاش سے نکلا ہے۔ معاش، عیش سے مشتق ہے جس کا معنی ہے زندگی گزارنا۔

ماہر لغت امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: "العیش اُس زندگی کو کہتے ہیں جو انسانوں اور حیوانات کے ساتھ خاص ہو۔ اور یہ لفظ الحیاۃ سے خاص ہے کیونکہ الحیات کا لفظ حیوان و انسان، باری تعالیٰ اور ملائکہ سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔" لفظ معیشت اسی لیے عیش سے لیا گیا کیونکہ اس کا تعلق صرف زمینی مخلوق (انسان) سے ہے۔

معیشت سے مراد سامانِ زیست، کھانے پینے کو وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔ اردو میں اس کے لیے اقتصادیات کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے (یہ 'قصد' سے ہے جس کے معنی ہیں ارادہ کرنا یا درمیانی راہ چلنا)۔ اقتصادیات ایک ایسے طریقہ کار کا نام ہے جس کی روشنی میں انسان اپنے اخراجات اور آمدنی کے حوالے سے میانہ روی اختیار کر سکے۔

المعجم الاقتصاد الاسلامی کے حوالے سے اقتصادیات کی تعریف: علم الاقتصاد (یعنی علم المعاشیات) ہر اس شے سے بحث کرتا ہے جو کثرت مال و زر، رزق حلال کمانے، کسی شے کا مالک ہونے اور خرچ کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح پیداوار اور مال کی بڑھوتری کے مسائل، نفع کے حصول، خدمات کی فراہمی اور امارت و غربت کے مسائل بھی اسی موضوع کے تحت آتے ہیں۔

اسلامی معیشت کی تعریف: امام غزالی: دنیا میں بغیر کھائے پیئے رہنا ناممکن ہے تو یہاں رہ کر کمانا لازمی ہے لہٰذا کمانے کے صحیح طریقوں کو جاننا ضروری ہے۔

ابن خلدون: معاش رزق کو ڈھونڈنے اور اسے تلاش کرنے کی جدوجہد کا نام ہے۔

شاہ ولی اللہ: افرادِ معاشرہ کے مابین اشیاء کا باہمی تبادلہ، ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت و آمدن کی حکمت سے بحث کرنا، علم معیشت ہے۔

اسلامی معاشیات کی اساس: اسلام ایک دین ہے اور ہمیں زندگی کے تمام شعبہ ہائے جات کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا مقصود یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اسلامی تعلیمات کے تابع رہ کر گزاری جائے اور اس زندگی کے ذریعے آخرت کو سنوارا جائے۔ اس لیے اسلام معاشیات کے شعبے میں بھی جائز و ناجائز راستوں اور طریقوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

آیتِ مبارکہ ہے: وَ ابْتَغِ فِیْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِؕ-اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (القصص:۷۷) "اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس کے ذریعے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ کر، بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔"

یہ آیتِ کریمہ اصلاً تو قارون کے حوالے سے نازل ہوئی لیکن قرآنی احکام قیامت تک کے لوگوں کیلئے ہیں۔ اسلامی معاشیات کی بنیاد اس تصور پر رکھی گئی ہے کہ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر چیز اسی نے عطا فرمائی ہے۔ "جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لیے ہے۔"۔(البقرۃ:284)

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَۙ "اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔" خالق کائنات ہی تمام مخلوقات کو رزق دیتا ہے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَاؕ-كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ "اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو اور وہ ہر ایک کے ٹھکانے اور سپرد کئے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے وسائلِ رزق تمام انسانوں کیلیئے عطا فرمائے ہیں۔ البتہ انسان کی عقلی کاوش، محنت اور کاروباری جدوجہد کی وجہ سے اسے ان وسائل میں تصرف کا حق ملتا چلا جاتا ہے۔ اسلام کے تصورات انسان کو ایک عقلی حیوان بنانے کی بجائے اللہ کے نائب کا درجہ عطا کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی آسائشوں کی خاطر دوسرے انسانوں کا استحصال نہ کرنا شروع کر دے۔

لیکچر نمبر 27: اسلام کا اقتصادی نظام (ماڈیول 2-114: اسلامی معیشت کی خصوصیات)

1۔ فلاحی نظام: اسلامی نظامِ معیشت بنیادی طور پر ایک فلاحی نظام ہے۔ اس نظام کا مقصد صرف حکومتی سرمائے اور آمدن میں اضافے کی بجائے عوام کی فلاح و بہبود ہے۔ انفرادی سطح پر بھی انسان جو اپنے لیے کماتا ہے اسلام نے اس میں غرباء اور ضرورت مندوں کا بھی حق رکھا ہے۔ آیتِ مبارکہ ہے:

وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ "اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم لوگوں کا"

اسلام میں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ اسلام کا یہ تصور بھی اسلامی معاشرے کو فلاحی معاشرہ بناتا ہے کہ 'مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں'۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی تو آسائشوں کی زندگی گزارے اور دوسرا فاقے کرتا رہے۔

2۔ امدادِ باہمی: اسلام کا تصور فلاح محض عقیدہ نہیں ہے بلکہ یہ عملی صورتوں میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انفرادی سطح پر ایک دوسرے سے تعاون یوں سراہا گیا ہے: **خير الناس انفعهم للناس (الطبرانی)** "لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔"

امدادِ باہمی کی اجتماعی زندگی میں اہمیت اور حکم یہ ہے:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ (المائدہ:2) "اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو"

حدیث مبارکہ ہے: "ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔" (البیہقی)

3۔ کفالتِ عامہ: اجتماعی سطح پر امدادِ باہمی کا روپ کفالت عامہ ہے۔

اس کے تحت ریاست اپنے شہریوں کی بنیادی ضروریات کی کفیل ہوا کرتی ہے۔ بیک وقت روحانی و مادی ضروریات کی کفالت اسلامی ریاست کا فرض ہے۔

حدیثِ مبارکہ ہے: "جسے اللہ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا پھر وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھا رہا تو اللہ اسکی ضروریات اور فقر وفاقہ سے بے نیاز ہو جائے گا۔"

خلافت راشدہ کا اقتصادی نظام کفالت عامہ کی بے نظیر مثال پیش کرتا ہے۔ جیسے جیسے ریاست کی آمدن میں اضافہ ہوتا ہے کفالتِ عامہ کا دائرہ کار وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ فلاحی ریاست میں کبھی بھی تعلیم اور علاج کے شعبہ جات کو آمدن کا ذریعہ نہیں بنایا جاتا بلکہ یہ سہولیات عوام تک پہنچانا ریاست کی ذمہ داری ہے۔

4۔ غیر سودی معیشت: اسلام کا نظامِ معیشت غیر سودی نظام ہے اور یہ اسلامی معیشت کا امتیاز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (البقرة:278) "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو۔"

اسلام سود کی بجائے صدقہ و خیرات اور قرضِ حسنہ کا درس دیتا ہے۔

5۔ معاشی استحصال کی نفی: اسلام ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری، دھوکہ دہی اور ہر طرح کے معاشی استحصال کا راستہ روکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ (النساء:۲۹) "اے ایمان والو! باطل طریقے سے آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ البتہ یہ (ہو) کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔"

6۔ ارتکازِ دولت کی حوصلہ شکنی: مطلب دولت اور وسائل کا صرف چند ہاتھوں تک محدود ہو جانا اور ان کا اس دولت کا ناجائز استعمال کرنا۔ اسلام اس بات سے سختی سے منع کرتا ہے اور مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے اصل پونجی آخرت ہے اور مال کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ-فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبۃ:۳۴) اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔

7۔ اخراجات کے اصول: اسلام ارتکازِ دولت کی ممانعت کے ساتھ ساتھ معاشرے کے افراد پر اخراجات و مصارف کے بھی قائدے اور قوانین لاگو کرتا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔(الفرقان:۶۷) اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔ دونوں حیثیتوں میں میانہ روی کی تلقین کی گئی ہے، فضول کرچی کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے۔

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (الاسراء:۲۷،۲۶) اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

(ماڈیول 3- 115: اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن)

ریاستی آمدن کے ذرائع اور مصارف

1۔ زکوۃ و عُشر: مسلمانوں کے اموال پر ایک خاص شرح سے نافذ ہوتی ہے۔ (تفصیلات زکوۃ کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔) عُشر زمین کی پیداوار پر لاگو ہوتی ہے ارو اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

2۔ خراج: غیر مسلموں کے زرعی زمینوں کی پیداوار سے جو محصول وصول کیا جاتا ہے، اسے خراج کہتے ہیں۔ یہ ٹیکس حکومت اس زمین پر لاگو کرتی ہے جسے مسلمانوں نے کافروں سے بطریق صلح یا بذریعہ غلبہ حاصل کیا ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب عراق و ایران فتح ہوئے تو آپؓ نے حکم دیا کہ کاشت کاروں کو ان کی زمینوں سے بے دخل نہ کیا جائے اور ان سے حسب سابق خراج وصول کیا جائے۔ حکام خراج کا اناج پورے گاؤں یا ضلع سے وصول کرتے تھے۔ پہلی صدی ہجری تک یہی طریقہ رائج رہا۔ مگر جب آہستہ آہستہ اس خطے کے سب لوگ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے خراج دینا بند کر دیا۔ وہ بہ حیثیت مسلمان عُشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ ادا کرتے تھے۔

3۔ جزیہ: وہ ٹیکس جو کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد غیر مسلم آبادی سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب بھی مسلمان کسی وجہ سے کسی مُلک پر حملہ آور ہوتے تو انھیں تین آپشنز دیتے۔

ا۔ اسلام قبول کر لیں اور بھائی بن جائیں۔

۲۔ یا جزیہ دیں اور اسلامی مملکت کا حصہ بن جائیں اس طرح وہ اپنی عبادات میں آزاد ہوں گے اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت پر ہو گی۔

۳۔ یہ بھی قبول نہیں تو آخری آپشن جنگ ہوتی

جزیہ ادا کرنے والے غیر مسلم ذمی کہلاتے ہیں اور یہ جنگی خدمات سے آزاد ہوتے ہیں کیونکہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہوتی ہے۔

4۔ عُشور

درآمدات و برآمدات پر اسلامی حکومت جو ٹیکس وصول کرتی ہے اسے عُشور کہتے ہیں۔ ایک زمانے میں شرح کا تعین کچھ اس طرح ہوتا تھا کہ مسلمانوں کے اموال میں سے اڑھائی فیصد' اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہریوں یعنی ذمیوں کے اموال میں سے پانچ فیصد اور دوسرے ممالک کے غیر مسلموں سے دس فیصد لیا جاتا تھا. لیکن یہ شرحیں کسی نص پر مبنی نہیں ہیں۔

5۔ مالِ غنیمت، مالِ فئے، خُمس

مسلمان جنگ کے نتیجے میں بزورِ طاقت جو مال حاصل کرتے ہیں اسے مالِ غنیمت کہتے ہیں۔ جنگ ہوئے بغیر ہی کسی قوم نے صلح کرلی یا خوف سے بھاگ گئے تو اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والا مال مالِ فئے ہوتا ہے۔ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ریاست کا ہوتا ہے جسے خُمس کہتے ہیں۔ یہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔

6۔ ضرائب (اہل ثروت پر ٹیکس)

یعنی وہ مزید ٹیکس جو حکومت حسبِ ضرورت شہریوں پر عائد کر سکتی ہے. عام حالات میں بھی اگر دفاع اور نظم مملکت کی ضروریات اور فقراء کی احتیاجات مندرجہ بالا تمام مدوں سے پوری نہ ہو رہی ہوں یا ہنگامی حالات میں بھی' جیسے زمانۂ جنگ یا قحط سالی، قدرتی آفات وغیرہ. ایسی خاص صورتوں میں اسلامی حکومت کو اغنیاء پر ٹیکس لگانے کا اختیار حاصل ہے۔

7۔ کرآ الارض (لگان / زمین کا کرایہ)

اسلامی ریاست کی مملوکہ زمینیں جو کاشتکاروں کو کاشت کیلئے دی جاتی ہیں ان پر وصول کیا جانے والا کرایہ کرآ الارض کہلاتا ہے۔

8۔ وقف

وہ جائیداد یا مال جو مالک خدا کے نام پر بیت المال کے لیے وقف کر دے۔

9۔ اموال فاضلہ

ایسے تمام ترکے جن کا کوئی شرعی وارث نہ ہو یا وہ مال جس کو مالک نے وصیت کے ذریعے سے بیت المال میں داخل کیے۔ اسلامی ریاست کی ملکیت تصور کیے جائیں گے۔

عوامی آمدن کے ذرائع اور مصارف

ذاتی آمدن کا ذریعہ تو ہر انسان کا ذاتی کسب ہے لیکن فقراء، مساکین اور ضرورت مندوں کیلئے عوامی سطح پر درج ذیل ذرائع آمدن ہیں۔

1۔ صدقاتِ نافلہ

جو اللہ کی رضا کیلئے فرض زکوۃ و صدقات کے علاوہ خرچ کیا جائے۔

2۔ اوقاف

عوامی فلاح کیلئے جو زمین یا پراپرٹی وغیرہ اللہ کے راستے میں وقف کر دی جائے۔

3۔ ہبہ

بلاعوض کسی کو اپنے مال کا مالک بنانا۔

4۔ وصیت

اپنا مال اللہ کیلئے کسی کے حق میں وصیت کرنا۔

5۔ قرضِ حسنہ

کسی کو بلا میعاد اور بلا سود قرض دینا، قرض حسنہ ہے۔ مگر مطالبے میں نرمی ہونی چاہئے۔ بلکہ اگر قرضدار تنگ دست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دینا فرض ہے۔

6۔ عاریت

ادھار لینا۔ ہنگامی ضرورت کیلئے کوئی چیز کسی سے لی جاتی ہے اور ضرورت پوری ہونے پر وہ چیز مالک کو واپس کر دی جاتی ہے۔

7۔ امانت

کوئی چیز کسی کے پاس کچھ عرصے کیلئے رکھوانا تا کہ ضرورت کے وقت واپس لی جاسکے۔

(ماڈیول4-116: خرید و فروخت کی جائز و ممنوع صورتیں)

اسلامی معیشت میں تجارت کے اصول

1۔ بیوعات جائزہ 2۔ بیوعات محرمہ

بیع: بیوع، بیع کی جمع ہے۔ کوئی چیز کسی مال کے بدلے میں اس طرح کسی کو دینا کہ دوسرا اس چیز کا مالک بن جائے۔

بیع اور تجارت میں فرق: تجارت میں کوئی چیز خریداری کر کے نفع حاصل کرنے کی نیت سے کی جاتی ہے، خواہ بعد میں فائدہ ہو یا نقصان، جبکہ بیع کا معنی وسیع ہے اسمیں ذاتی استعمال کی چیزیں خریدنا بھی شامل ہے۔ جو کہ نفع کے حصول کا محرک نہ بھی ہو۔

بیوعات محرمہ

i۔ بیع الغرر

جس بیع میں کسی قسم کا دھوکہ پایا جائے۔ جھوٹ بول کر، مال کی حقیقت چھپا کر یا کسی بھی قسم کا دھوکہ دے کر جو سودا کیا جائے وہ حرام ہے۔ جیسے مچھلی پکڑنے سے پہلے ہی اس کی قیمت وصول کر لینا اور فروخت کرنا، پرندہ جو ہوا میں اُڑ رہا، ابھی پکڑا نہیں اسے فروخت کرنا وغیرہ۔ اس طرح کی بیع میں بعد میں جھگڑا پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔

ii۔ بیع الحصاۃ

اس بیع کی صورت یہ ہے کہ فروخت کرنے والا ہوا میں کنکریاں پھینکے اور خریدار سے کہے کہ جس مال تجارت پر یہ کنکریاں پڑیں وہ اتنی قیمت پر تمہارا ہو جائے گا۔

iii۔ بیع المنابذۃ

اس بیع میں فروخت کنندہ خریدار سے کہتا ہے کہ جیسے ہی یہ کپڑے کا تھان یا کوئی دوسری چیز میں تمہاری طرف پھینک دیا تو اتنی قیمت پر یہ سودا ہو گیا۔ خریدار اس چیز کا معائنہ کرنے کے بعد بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

iv۔ بیع الملامسہ

کسی تجارتی مال پر آنکھیں بند کر کے ہاتھ لگانا اور یہ طے کر لینا جس مال پر ہاتھ لگا وہ اتنے کا ہوا۔

v۔ بیع الربا

کوئی بھی ایسی بیع جس میں سود ہو یا سود پر مشتمل ہو، وہ حرام ہے۔ چاہے کرنسی ہو، مال تجارت ہو، یا مال زراعت ہو۔

vi۔ بیع العینہ

فروخت کرنے والا کوئی چیز ادھار پر بیچے، تو اس کے لیے جائز نہیں، کہ وہ اسے دوبارہ (اُسی خریدار سے) قیمت فروخت سے کم قیمت پر واپس خریدلے۔

vii۔ بیعانہ پر بیع (بیع العربون)

اگر سودا مکمل نہیں ہوا، لیکن مشتری (خریدار) اور بائع (بیچنے والا) نے آپس میں وعدہ کرلیا کہ فلاں تاریخ کو ہم سودا کرلیں گے اور اس کے لیے ایڈوانس کچھ رقم خریدار نے بائع کو دے دی، یہ ایڈوانس رقم بیعانہ کہلاتی ہے، مقررہ تاریخ پر اگر خریدار نے بائع سے سودا نہیں کیا تو بائع کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بیعانہ کی رقم ضبط کرلے۔ اسی طرح اگر بائع نے سودا دینے سے انکار کردیا تو خریدار کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بیعانہ کی ادا شدہ رقم سے زیادہ رقم بائع سے وصول کرے۔ البتہ کسی عذر کے بغیر وعدہ خلافی کرنا اور مقررہ تاریخ پر سودا نہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وعدہ خلافی کرنے کا گناہ ہوگا۔ مذکورہ صورت میں بیعانہ کی رقم بائع کے پاس امانت ہے اور اس پر امانت کے احکام جاری ہوں گے۔

viii۔ دھوکے بازی اور ضرر رسانی کی بناء پر ناجائز معاہدے

پہلے سے قائم شدہ معاہدے میں مداخلت، ایک خریدار چیز خرید رہا ہے اور موقع پر مداخلت کرتے ہوئے بھاؤ پر بھاؤ کرنا، شہری تاجر کا قافلے کا سامان شہر پہنچنے سے پہلے خریدنا (تلقی الرکبان)، محض قیمت بڑھنے کی غرض سے بولی بڑھانا، بیع کے اوپر بیع کرنا، ایسی بیوعات ہیں جو دھوکا دہی اور ایک فریق کو ضرر رسانی کی بناء پر ممنوع ہیں۔ اسی طرح ذخیرہ اندوزی کرکے قیمت بڑھانا بھی حرام ہے۔

ix۔ بیع الکالی بالکالی

اگر قیمت کی ادائیگی اور چیز کی ادائیگی دونوں ادھار ہوں، اسکو بیع الکالی بالکالی کہتے ہیں جو کہ ناجائز ہے۔

بیوعات جائزہ اور انکی اقسام (اشیاء کے لحاظ سے):

i۔ المقایضۃ

چیز کا تبادلہ چیز کے ساتھ ہو، مثلاً گندم کے بدلے چاول، اسکو بارٹر سیل بھی کہتے ہیں۔ گندم کے بدلے گندم بھی ہوسکتی ہے لیکن اس میں اسلام یہ شرط عائد کرتا ہے کہ ہم جنس اشیاء کے تبادلے کی صورت میں چیز کی مقدار برابر ہونی چاہیے۔

ii۔ بیع مطلق

روپے پیسے دے کر کوئی چیز خریدنا بیع مطلق کہلاتی ہے۔

iii۔ بیع الصرف

نقدی کے بدلے نقدی یعنی کرنسی کا لین دین، اسکو منی چینجر کاروبار بھی کہتے ہیں۔

iv۔ اجارۃ

ایک طرف کسی چیز کو استعمال کرنے کا حق یا کسی شخص کی محنت ہو خواہ وہ جسمانی مشقت ہو یا ذہنی اور دوسری طرف اسکا معاوضہ دیا جائے تو یہ کرایہ داری یا اُجرت ہے۔

بیوعات جائزہ اور انکی اقسام (قیمت کی ادائیگی کے لحاظ سے):

i۔ نقد بیع:

خریدی گئی چیز کی حوالگی اور قیمت کی حوالگی دونوں نقد ہوں۔

ii۔ بیع موجل:

اگر کسی چیز کی سپردگی فوری ہو مگر قیمت کی ادائیگی مستقبل کی کسی تاریخ پر طے ہو۔

iii۔ **بیع سلم**

جب قیمت کی مکمل ادائیگی تو پیشگی کر دی جائے، لیکن چیز کی حوالگی کے لیے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر کریں، یہ بیع عمومی طور پر اسلام میں ناپسندیدہ ہے لیکن مخصوص شرائط کیساتھ زراعت کے میدان میں جائز ہے۔

قیمت فروخت کے لحاظ سے بیع کی اقسام:

i۔ **بیع مساومۃ:**

فروخت کرنے والا اپنی قیمت خرید یا لاگت ظاہر کئے بغیر کسی بھی قیمت پر فروخت کرتا ہے۔

ii۔ **بیع مرابحہ:**

مرابحہ میں فروخت کنندہ وضاحت کیساتھ اپنی لاگت اور منافع کی شرح بتا کر بیچتا ہے، قیمت نقد بھی ہو سکتی ہے اور ادھار بھی۔

iii۔ **بیع تولیہّ**

جب فروخت کنندہ کوئی چیز نفع ونقصان کے بغیر لاگت قیمت پر ہی فروخت کرے، بیع تولیہ کہتے ہیں۔

iv۔ **بیع وضعیۃ**

قیمت خرید سے کم پر بیچنا یعنی خسارے کا سودا۔

(ماڈیول 5- 117: حُرمتِ سود)

حرمتِ سود

معنی ومفہوم: سود کو عربی میں "الرباء" کہا جاتا ہے۔ ربوٰا کا معنی ہے "زیادتی، اضافہ" قرآن مجید نے ہر قسم کی زیادتی کو حرام نہیں کہا کیونکہ زیادتی تو تجارت میں بھی ہوتی ہے۔ قرآن مجید جس زیادتی کو حرام قرار دیتا ہے وہ ایک خاص قسم کی زیادتی ہے۔ اس لئے اس کو "ربوٰ" کا نام دیا جاتا ہے۔ اہل عرب کی زبان میں اسلام سے پہلے بھی سود کو ربوٰ کے نام سے ہی یاد کیا جاتا تھا۔ اور لوگ ربوٰا کو بیع کی طرح جائز سمجھتے تھے۔ اسلام نے آکر بتایا کہ جو زیادتی یا اضافہ مال میں بیع سے ہوتا ہے وہ تو جائز اور حلال ہے۔ لیکن جو اضافہ سود سے ہوتا ہے وہ حرام ہے۔ سود کی تعریف یہ ہے کہ قرض میں دیئے ہوئے مال پر جو زائد رقم مدت کے مقابلہ میں شرط اور تعین کے ساتھ لی جائے وہ سود ہے۔ گویا سودی معاملہ میں یہ تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔

ا۔ اصل مال پر اضافہ

۲۔ اضافہ کا تعین مدت کے لحاظ سے کیا جائے۔

۳۔ معاملہ میں اس کا مشروط ہونا۔

ہر وہ معاملہ جس میں یہ تین شرطیں پائی جائیں سودی معاملہ ہے اور نگاہ شریعت میں حرام ہے۔

سود کی قسمیں

شریعت مطہرہ میں ربوٰا کی دو قسمیں ہیں۔

- ربا النسیۃ / ربا القرآن
- ربا الفضل / ربا الحدیث

1۔ ربا النسیۃ: اس کو ربا القرآن اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن نے واضح طور پر حرام کیا ہے۔ ربا النسیۃ یہ ہے کہ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا

2۔ **ربا الفضل:** اس کو ربا الحدیث اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کی حرمت حدیث میں آئی ہے۔ ربا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو۔ مثلاً ایک من کھجوروں کے عوض سوا من کھجوروں کا مطالبہ کیا جائے۔ حضور ﷺ نے ربا الفضل کو اس لئے حرام کیا ہے کہ اسی سے ربا النسیہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک دینار کو دو دینار کے عوض اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت نہ کرو مجھے خوف ہے کہ تم سود خوری میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔"

سود کی حرمت قرآن حکیم سے

قرآن حکیم نے سود خوری کی شدید مذمت کی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے:

"الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لاَ يَقُومُونَ إِلاَّ كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُواْ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ" (البقرة ۲، ۲۷۵)

" جو لوگ سود لیتے ہیں اور اس سے پیٹ پالتے ہیں۔ وہ کھڑے نہ ہو سکیں گے۔ مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے چھو کر باؤلا اور حواس باختہ کر دیا ہو۔ یہ اس لئے ہو گا کہ انہوں نے کہا کہ بیع (تجارت) اور سود ایک جیسے ہیں (سود بھی بیع کی طرح ہے) حالانکہ بیع (تجارت) کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہذا اب جس کو بھی اس کے پروردگار کی یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ آئندہ سود لینے سے باز آگیا۔ تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا ہو چکا۔ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص سود لے گا۔ وہ جہنمی گروہ میں سے ہے اور ہمیشہ عذاب میں رہنے والا ہے۔"

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا **"يَمْحَقُ اللّهُ الْرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ " (البقرة ۲، ۲۷۶)** 'بے شک اللہ رب العزت سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ نافرمان سے خوش نہیں ہوتا۔" ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: **"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ۔ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ"(البقرة ۲، ۲۸۰)** "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو۔ اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اور اگر (مقروض) تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو اور (قرض معاف کر کے) تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔"

سود کی مذمت اور حرمت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود کے دستاویز لکھنے والے اور سود کے معاملہ میں گواہی دینے والے ان سب پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ سب معصیت کے ارتکاب میں برابر ہیں۔" (مسلم، ۱۴۲۲) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس رات مجھے معراج ہوئی تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ ایسے تھے جیسے اژدھوں سے بھرپور گھر اور اژدھے پیٹوں سے باہر بھی دکھائی دیتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا یہ سود خور ہیں۔" (ابن ماجہ، ۱۴۱۹)

تجارت اور سود میں فرق

آج کے جدید مغرب زدہ ذہن اس مغالطے میں ہیں کہ سود اور تجارت میں کیا فرق ہے؟ کفار مکہ نے بھی یہی اعتراض کیا تھا کہ **"انما البیع مثل الربوا"** (**البقرۃ ۲، ۲۷۵**) "کہ بے شک بیع (تجارت) بھی ربا (سود) کی مثل ہے۔" تجارت اور سود کے درمیان علماء نے بہت واضح فرق بیان کیا ہے:

ا۔ تجارت میں فروخت کار اور خریدار کے درمیان منافع کا تبادلہ برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے کیونکہ خریدنے والا اس شے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جو اس نے فروخت کرنے والے سے خریدی۔ جبکہ سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقرر مقدار لے لیتا ہے، جو اس کے لیے بالیقین نفع بخش ہے لیکن اس کے مقابلے میں سود دینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے جس کا نفع بخش ہونا یقینی نہیں۔ اگر اس نے سرمایہ اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے لیا ہے تب تو ظاہر ہے کہ مہلت اس کے لیے قطعی نافع نہیں ہے۔ اور اگر وہ تجارت یا زراعت یا صنعت و حرفت میں لگانے کے لیے سرمایہ لیتا ہے تب بھی مہلت میں جس طرح اس کے لیے نفع کا امکان ہے اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے۔ پس سود میں سود خور کا نفع یقینی جبکہ قرضدار کا نفع غیر یقینی ہوتا ہے۔

۲۔ تجارت میں چیز اور اس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ سودی معاملہ میں قرض لینے والا مال لے کر خرچ کر لیتا ہے اور پھر یہ مال دوبارہ کماتا ہے اور سود کے اضافہ کے ساتھ واپس کرتا ہے۔

۳۔ تجارت میں فروخت کنندہ خریدار سے خواہ کتنا ہی منافع کیوں نہ لے وہ صرف ایک ہی مرتبہ لیتا ہے لیکن سود معاملہ میں رقم لینے والا مسلسل اپنے مال پر منافع وصول کرتا ہے۔ اگر قرضدار بروقت قرض ادا نہ کر سکے تو وقت کے ساتھ ساتھ سودی قسط پر اضافہ اور بڑھوتری ہوتی ہے۔

۴۔ تجارت میں انسان اپنی ذہانت اور محنت صرف کر کے اس کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جب کہ سودی کاروبار میں صرف زائد از ضرورت مال دے کر فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اس میں سود خور کی کوئی محنت شامل نہیں ہوتی۔ یعنی سودی کاروبار ایسا شراکتی کاروبار ہے جس میں ایک فریق صرف اپنا مال دے کر ایک مقررہ اور مشروط منافع کا شریک بن جاتا ہے۔

۵۔ اسلامی نظامِ معیشت میں صدقات کی شکل میں میں مال کا رُخ غریب کی طرف ہوتا ہے جبکہ سودی معاشرے میں مال کا رُخ غریب سے امیر کی طرف ہوتا ہے جس کی وجہ سے غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

۶۔ تجارت کے معاملات میں مضاربت یا مشارکت کی شکل میں فریقین کو ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے کیونکہ ان کا مفاد مشترکہ ہوتا ہے جبکہ تجارتی سود کی صورت میں سود خور کو محض اپنے مفاد سے غرض ہوتی ہے۔

پس اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر سرمایہ محفوظ ہو اور نفع یقینی ہو اور معاملہ مشروط ہو تو یہ سود ہے۔

اگر سرمایہ غیر محفوظ ہو، ساتھ میں محنت و مشقت ہو اور نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہو تو یہ تجارت ہے۔

لیکچر نمبر 28: اسلام کا تصورِ علم

(ماڈیول 1- 118: علم کا تعارف)

یونانی دور میں تصورِ علم: یونانی فلاسفہ کے ہاں یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ ذہن میں کسی بھی چیز کی نسبت جو تصور قائم ہوتا ہے اسے علم کا نام دے دیتے تھے۔ خواہ وہ تصور واقعہ کے مطابق ہو یا واقعہ کے خلاف ہو۔ اگر وہ تصور مرتبہ تصدیق تک پہنچ جائے تو اسے بھی علم کہتے تھے اور اگر اس میں ظن رہے، شک آجائے یا وہم کو بھی علم ہی کہتے تھے۔

علم کا اسلامی تصور: اسلام نے اس تصورِ علم کو رد کر دیا۔ اسلام کے نزدیک علم کا نور جہالت، وہم، شک اور ظن کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے علم کی یہ تعریف کی جاتی ہے: "بے شک علم وہ صفت ہے جس کے ذریعے زندہ انسان سے جہالت، شک اور ظن کو دور کیا جاتا ہے۔"

علماء کا اتفاق ہے کہ کسی چیز کے بارے میں ایک ایسی پختہ اور حتمی شکل کا ادراک ہو جہاں اخفا اور لاعلمی ختم ہو جائے، تردد یا شک نہ رہے اور نہ ہی کسی قسم کا ظن رہے، یہ علم کہلاتا ہے۔

علم کے ذرائع: علم کے چار ذرائع ہیں:

1۔ حواسِ خمسہ: اس میں درج ذیل پانچ حواس شامل ہیں۔

i۔ حسِ سامعہ (کانوں سے سننے کی صلاحیت) ii۔ حسِ باصرہ (آنکھوں سے دیکھنے کی صلاحیت)

iii۔ حسِ لامسہ (ہاتھوں سے چھونے کی صلاحیت) iv۔ حسِ شامہ (ناک سے سونگھنے کی صلاحیت)

v۔ حسِ ذائقہ (زبان سے چکھنے کی صلاحیت)

ان تمام حواس کا مخصوص اور محدود دائرہ کار ہوتا ہے۔ کوئی حس بھی ایسی کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتی جو اس کی حدود اور دائرہ کار سے باہر ہو۔

2۔ **عقل:** حواسِ خمسہ حاصل ہونے والے مشاہدے، تجربے اور معلومات کی روشنی عقل کو فراہم کرتی ہے۔ عقل ان معلومات کا تجزیہ کرتی ہے۔ عقل کے بھی پانچ حصے (دائرے) ہیں:

i۔ حسِ مشترک ii۔ حسِ واہمہ iii۔ حسِ متصرفہ iv۔ حسِ خیال v۔ حسِ حافظہ

عقل کا دائرہ کار حواسِ خمسہ کا پابند ہے۔ جو بات یا چیز حواسِ خمسہ کے دائرے میں نہیں آتی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔

3۔ **وجدان:** اس کائنات میں بہت ساری حقیقتیں اور علوم ایسے ہیں جو حواسِ خمسہ ظاہری اور عقل کی حدود اور دائرہ کار میں نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اِن غیبی حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کا مشاہدہ کرنے کیلئے ایک باطنی قوت اور ذریعہ علم بھی عطا کیا ہے، جسے وجدان کہتے ہیں۔ یہ ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کیلئے جسمانی و روحانی پاکیزگی ضروری ہے۔ حواسِ خمسہ اور عقل کی طرح وجدان کا دائرہ کار بھی طبعی کائنات (Physical Universe) ہی ہے۔ وجدان کے پانچ گوشے ہوتے ہیں جنہیں لطائفِ خمسہ کہتے ہیں:

i۔ لطیفہ قلب ii۔ لطیفہ روح iii۔ لطیفۂ سر iv۔ لطیفہ خفی v۔ لطیفہ اخفی

4۔ **وحی:** مندرجہ بالا تینوں ذرائع سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہے۔ ان سب کا دائرہ کار محدود ہے اور ان میں غلطی کا امکان موجود ہے۔ وحی سے حاصل ہونے والا علم، علمِ قطعی ہوتا ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ قرآنِ پاک میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے نزولِ وحی کے تین طریقے بیان کیے ہیں: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ**

(الشوریٰ، 51:42) "اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے (براہِ راست) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے (کسی کو شانِ نبوت سے سرفراز فرمادے) یا پردے کے پیچھے سے (بات کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طورِ سینا پر کی) یا کسی فرشتے کو پیغام رساں بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے (الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہوگا)۔"

اس آیتِ مبارکہ سے وحی کی تین شکلیں پتہ چلتی ہیں:

ا۔ وحی قلبی: (براہ راست انبیاء کے دِل میں بات ڈالنا۔ یہ حالتِ بیداری اور حالتِ خواب دونوں میں ہو سکتا ہے)

۲۔ کلامِ الٰہی: (اللہ کا اپنے نبی سے براہ راست کلام فرمانا جیسے شبِ معراج نبی کریم ﷺ سے اور طورِ سینا پر حضرت موسیٰؑ سے فرمایا)

۳۔ وحی ملکی: فرشتے کے ذریعے وحی (کبھی فرشتہ نظر نہیں آتا صرف آواز سنائی دیتی ہے، کبھی فرشتہ انسانی شکل میں سامنے آتا ہے، کبھی فرشتہ اپنی اصل شکل میں نظر آتا ہے اور صرف انبیاء اسے دیکھ سکتے ہیں۔)

(ماڈیول 2– 119: اسلام میں علم کی اہمیت)

دنیا کے کسی مذہب میں علم کے حصول پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا اسلام نے دیا۔ اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیارے نبی ﷺ پر جو پہلی وحی نازل فرمائی، وہ حصول علم کی ترغیب دلانے کیلئے تھی۔ **اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ (العلق1-5:96)** "(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔ اس نے انسان کو (رحمِ مادر میں) جونک کی طرح معلّق وجود سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا۔ جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

اسی طرح قرآنِ پاک میں دیگر کئی آیات علم کی اہمیت و فضیلت کو ظاہر کرتی ہیں۔ **يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ11:58)** "اللہ اُن لوگوں کے درجات بلند فرمادے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا۔"

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ (الزمر9:39) "فرما دیجئے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں؟ بس نصیحت تو عقل مند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی احادیث مبارکہ میں ہمیں علم کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا: **إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ (ابو داؤد، 3641)** "علماء انبیاء کے وارث ہیں۔"

وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ (ابوداؤد، 3641) "اور بے شک زمین اور آسمان کی تمام چیزیں عالم کیلئے دعائے مغفرت کرتی ہیں۔"

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (صحیح بخاری، 71) "جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے۔"

اسلام میں طلبِ علم کی اہمیت

علم حاصل کرنے کی اسلام میں بہت اہمیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (النحل43:16)** "تم اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں خود (کچھ) معلوم نہ ہو۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَنْ سَلکَ طَرِیقًا یَطْلُبُ فِیْہِ عِلْمًا سَلکَ االلّٰہُ بِہٖ طَرِیقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ (الترمذی2682)** ”جو آدمی کسی راستہ کو (خواہ لمبا ہو یا مختصر) علم دین حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے۔“

ایک اور حدیثِ مبارکہ ہے: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (ابن ماجہ،224) ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) کیلئے فرض ہے۔“

علم سکھانے (تعلیم) کی اہمیت:

تعلیم کے معنی ہیں ”کسی کو علم سکھانا“۔ جس طرح علم سیکھنا ضروری ہے اسی طرح علم دوسروں کو سکھانا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرائضِ نبوت میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ **ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ ٭ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (الجمعہ2:62)** ”وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، بیشک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“

حدیث مبارکہ ہے: **اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً (ابن ماجہ، 229)** ”مجھے مُعلّم بنا کر بھیجا گیا۔“

درج ذیل آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو علمِ دین سیکھ کر اپنی قوم کو سکھانے کی ترغیب دی ہے: **وَ مَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ (التوبہ122:9)** ”اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سارے کے سارے مسلمان (ایک ساتھ) نکل کھڑے ہوں، تو ان میں سے ہر ایک گروہ (یا قبیلہ) کی ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقہ (یعنی خوب فہم و بصیرت) حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف پلٹ کر آئیں تاکہ وہ (گناہوں اور نافرمانی کی زندگی سے) بچیں۔“

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا: ”تمھارے ذریعے اللہ کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو وہ تمھارے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“

اس طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان الدال علی الخیر کفاعلہ (سنن ترمذی،2670)** ”بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا (ثواب میں) بھلائی کرنے والے ہی کی طرح ہے۔“ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لا حَسَدَ إلا في اثنتين: رجل آتاه الله مالا، فسَلَّطه على هَلَكَتِهِ في الحقِّ، ورجل آتاه الله حِكْمَةً، فهو يقضي بها ويُعَلِّمها (صحیح بخاری،1409)** ”رشک صرف دو اشخاص پر جائز ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو اور اسے (مال کو) راہِ حق میں لٹانے کی پوری طرح توفیق ملی ہو اور دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی ہو اور اس کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔“

ان آیات و حدیث میں قرآن و حدیث نے بذاتِ خود علم کو، علم حاصل کرنے کو اور علم سکھانے کو بہت اہمیت دی ہے۔

(ماڈیول 3– 120: علم کی اقسام)

علم کی اقسام: 1۔ علمِ نافع 2۔ علمِ غیر نافع

1۔ علمِ نافع: اسلامی تصورِ علم کے مطابق ہر وہ علم نافع ہے جو دنیاوی یا اخروی لحاظ سے صاحبِ علم اور دیگر مخلوقات کیلئے نفع بخش ہو۔ قرآن و حدیث میں جہاں بھی علم کی اہمیت و فضیلت کا ذکر ہے، اس سے مراد علمِ نافع ہی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے علمِ نافع کیلئے ان الفاظ میں دعا فرمائی۔ **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا، وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا (ابنِ ماجہ،925)** ” اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والے علم، پاکیزہ رزق اور (اللہ کی بارگاہ میں) قبول ہونے والے عمل کا سوال کرتا ہوں۔“ علم نافع میں تمام نفع بخش دینی اور دنیاوی علوم شامل ہیں مثلاً قرآن، حدیث، فقہ، لغت، طب، کیمیا، طبیعات، حیاتیات، ریاضی،

سیاسیات، سماجی علوم، معاشی علوم، روحانی علوم (اخلاقیات اور تصوف) وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی قرآن میں ایک یہ صفت بھی بیان فرمائی کہ :
وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: 191) "اور وہ آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں"
فزکس، کیمسٹری، بایولوجی، آسٹرانومی اور دیگر کئی علوم آسمان و زمین اور دیگر مخلوقات میں غور و فکر کے نتیجے میں وجود میں آئے۔

2۔ علمِ غیر نافع: ہر وہ علم جو صاحب علم یا کسی دوسرے کے حق میں دینی یا دنیاوی لحاظ سے مضر یا لایعنی ہو وہ علمِ غیر نافع کہلاتا ہے۔ ان علوم کی شریعت نے مذمت کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو نفع بخش نہ ہو۔ **اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب لها (مسلم، 6906)** "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو اس دل سے جو نہ ڈرے (یا اسے ذکر اللہ سے تسکین نہ) اس نفس سے جو سیر نہ ہو (یعنی حریص ہو اللہ نے جو کچھ دیا ہے اس پر قناعت نہ کرے) اور اس دعا سے جو مرتبہ قبولیت کو نہ پہنچے۔"

ان علوم میں علمِ سحر، علمِ طلسمات، علمِ نجوم وغیرہ شامل ہیں۔ علمِ سحر بنی اسرائیل کے لوگ دوسروں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے سیکھتے تھے، اسلام نے اسے ناجائز قرار دیا۔ اسلام علمِ نجوم اس حد تک سیکھنا جائز ہے جس سے راستوں کا تعین کیا جا سکے۔ علمِ نجوم کی وہ جہت جس کے ذریعے صاحبِ علم مستقبل کی پیش گوئیاں کرتا ہے اسلام میں ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔

(ماڈیول 4-121: اسلام اور تعلیم نسواں)

تعلیم نسواں سے مراد ہے عورتوں کی تعلیم۔ قبل از اسلام عورت بنیادی حقوق سے محروم تھی۔ شادی سے پہلے باپ اور شادی کے بعد شوہر کی ملکیت تصور کی جاتی تھی جس کی نہ کوئی ذاتی زندگی تھی اور نہ کوئی ذاتی حقوق۔ بچیوں کو اچھی تعلیم و تربیت دینا تو در کنار، انھیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ ایسے میں اسلام نے عورتوں کو معاشرے میں عزت دی۔ دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کا بھی حق دیا۔

قرآن و حدیث میں جہاں کہیں بھی علم سیکھنے اور سکھانے کی بات کی گئی اور علماء کی فضیلت بیان کی گئی ہے وہاں مرد اور خواتین دونوں ہی مرادِ کلام ہیں۔ کیونکہ قرآن میں عموماً جہاں بھی مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے وہاں معنی میں مرد و خواتین دونوں ہی شامل ہیں۔ جیسا کہ **وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ (البقرہ2:43)** "اور نماز قائم رکھو۔" اس آیتِ مبارکہ میں مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے لیکن نماز اور زکوۃ کا حکم مرد و عورت دونوں کیلئے ہے۔ یہی معاملہ ان آیات میں ہے جہاں علم اور علماء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خواتین کی تعلیم و تربیت کو اتنا ہی اہم اور ضروری قرار دیا ہے جتنا مردوں کی۔ اسلامی معاشرے میں کسی طرح یہ مناسب نہیں کہ کوئی شخص لڑکی کو لڑکے سے کم درجہ دے کر اس کی تعلیم و تربیت نظر انداز کر دے۔ "حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عورتیں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئیں: آپ کی جانب مرد ہم سے آگے نکل گئے، لہٰذا ہمارے استفادہ کے لیے بھی ایک دن مقرر فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک دن مقرر فرما دیا۔ اس دن آپ ﷺ ان سے ملتے انھیں نصیحت فرماتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام بتاتے۔" (صحیح بخاری، 101) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس کی بیٹی ہو اور اس نے اسے اچھا ادب سکھلایا اور اچھی تعلیم دی اور اس پر ان انعامات کو وسیع کیا جو کہ اللہ نے اس کو دیئے ہیں تو وہ بیٹی اس کے لئے جہنم سے رکاوٹ اور پردہ بنے گی۔" (طبرانی، المعجم الکبیر، 10447) اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیٹی کی اچھی پرورش میں اس کی اچھی تعلیم اور تربیت کس قدر اہم ہے۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "جس کے پاس کوئی باندی ہو پھر وہ اسے مودب بنائے اور تعلیم دلائے، پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اس کے لیے دوگنا ثواب ہے۔" (ابنِ ماجہ، 1956) اس حدیث مبارکہ میں باندی کی تعلیم پر دوگنا اجر کی بشارت دی گئی ہے تو اسلام میں ایک آزاد عورت اور بالخصوص بیٹی کی تعلیم پر کس قدر اجر و ثواب ہو گا۔ ان احکامات کے بعد کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ عورت کا تعلیم حاصل کرنا اسلامی احکامات کے منافی ہے۔

(ماڈیول 5- 122: مسلم خواتین کی علمی خدمات)

اسلام کے اولین ادوار میں مسلمان خواتین کا علمی کردار: اسلام نے جس طرح خواتین کیلئے علم کی راہیں کھولیں اس کے نتیجے میں قرونِ اولیٰ سے ہی خواتین کا تعلیم میں نمایاں کردار نظر آتا ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں پانچ خواتین لکھنا پڑھنا جانتی تھیں: حضرت ام کلثومؓ، حضرت عائشہؓ بنت سعد، حضرت مریمؓ بنت مقداد، حضرت شفاءؓ بنت عبد اللہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ حضرت حفصہؓ، حضرت شفاءؓ سے کتابت سیکھتی تھیں حضرت شفاءؓ خود روایت کرتی ہیں کہ "میں سیدہ حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی کہ نبی کریم ﷺ بھی وہاں آ گئے اور مجھے فرمایا: تم حفصہ کو پھنسی کا علاج بھی سکھا دو جیسا کہ تم نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے۔" (ابوداؤد، 3887) نبی کریم ﷺ کی ان توجہات کا ہی نتیجہ تھا کہ بے شمار صحابیاتؓ نے اسلامی علوم میں دلچسپی لی اور ان علوم کو محفوظ کرنے اور آگے پہنچانے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

1۔ سب سے بڑا نام ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ آپ قرآن کی حافظہ اور مفسرہ تھیں۔ آپؓ سے رسول اللہ ﷺ کی 2210 احادیث روایت ہیں۔ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہی مسائل کا حل اخذ کر کے صحابہ کرام کی راہنمائی فرماتی تھیں۔ آپ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد پچاس سال تک زندہ رہیں اور مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے تک آپ ﷺ کی تعلیمات پہنچانے کا باعث بنیں۔ آپ کے شاگرد صحابہ و صحابیات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ " قرآن، فرائض، حرام و حلال، فقہ، شاعری، رطب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔" (حاکم)

2۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ماہرِ فقہ اسلامی تھیں۔ سیدنا عائشہؓ کے بعد حدیث اور فقہ کے علم میں حضرت ام سلمہؓ کی خدمات سب سے نمایاں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے تین سو اٹھتر مسائل سے متعلق فتوے دیے۔ انھوں نے اپنے گھر میں ایک ادارہ قائم کیا جہاں وہ قرآن، تفسیر، قرات، فقہ اور حدیث کی تعلیم دیتی تھیں۔

3۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا قرآن کی حافظہ اور عالمہ تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں جب قرآن کو کتابی شکل میں محفوظ کیا گیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ان صحابہ میں شامل تھیں جنھوں نے مختلف پتھروں اور چھالوں پر لکھی ہوئی قرآنی آیات کی چھان بین اور تصدیق کی۔

4۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے حدیث کی روایت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انھوں نے 65 احادیث براہ راست نبی کریم ﷺ سے روایت کیں۔

5۔ حضرت فاطمہ بنتِ قیسؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی صحابیات میں سے ایک ذہین، باصلاحیت اور عالمہ خاتون تھیں۔ یہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی زوجہ تھیں اور نبی کریم ﷺ کے گھر کے قریب رہائش پذیر تھیں۔ آپؓ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث سن کر یاد فرما لیتی تھیں۔

دیگر صحابیاتِ علم میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت فاطمہ الزاہراءؓ اور حضرت ام ایمنؓ کے نام نمایاں ہیں جنھوں نے علومِ اسلامیہ کی ترویج میں کردار ادا کیا۔

صحابیاتؓ کی تعلیم و تدریس میں غیر معمولی دلچسپی نے دورِ تابعین میں بے شمار خواتین عالمات کو جنم دیا جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی 'درۃ' کو ان سے مروی تمام احادیث یاد تھیں۔ ان کا نکاح ان کے والد محترم نے اپنے ایک شاگرد سے کیا۔ نکاح سے کچھ روز بعد جب ان کے شوہر حضرت ابن المسیبؒ کی علمی مجلس میں جانے لگے تو بیوی نے کہا، بیٹھ جائیں، حضرت سعیدؒ کے پاس جو علم ہے وہ میں آپ کو سکھا دیتی ہوں۔

2۔ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کو ان کی کتابِ حدیث 'موطا' مکمل یاد تھی۔

3۔ حضرت فاطمہ بنتِ منذر جو حضرت اسماء رضی اللہ عنھا کی پوتی تھیں۔ یہ دورِ تابعین کی عظیم محدثہ اور فقیہہ ہیں۔ انھوں نے اپنی دادی سے بہت احادیث روایت کیں۔

4۔ حضرت نفیسہؒ بنت الحسن بہت علم و فضل کی مالک تھیں۔ تفسیر اور حدیث میں ان کی عظیم خدمات ہیں۔ جب انھوں نے مدینہ سے مصر جا کر رہائش اختیار کی تو علم سیکھنے کیلئے ان کے پاس دور دور سے لوگ آنے لگے۔ ان کے شاگردوں میں عظیم فقہی آئمہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی شامل ہیں۔ عباسی دور میں خواتین کو علم میں بہت دلچسپی تھی۔ گھروں، مساجد، مدارس، باغات اور دوسری جگہوں پر خواتین کے درس کے حلقے منعقد ہوتے تھے۔ شاہی خاندان کی خواتین خود تعلیمِ نسواں کی سرپرستی کرتی تھیں۔

1۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون نے اپنی سو سے زائد باندیوں کو صرف قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے فراغت دے رکھی تھی۔

2۔ حاکمِ دمشق الملک الدقاق کی بہن زمرد خاتون نے مدرسہ الخاتونیہ البرانیہ کے نام سے تعلیمِ نسواں کیلئے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔

3۔ یمن کے سلطان الملک المضفر کی بیوی مریم نے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں وہ غریب اور یتیم بچیوں کو تعلیم فراہم کرتی تھیں۔

4۔ فاطمہ بنتِ محمد سمرقندی فقہ حنفی میں بہت شہرت رکھتی تھیں۔ ان کے والد مشہور فقیہ تھے۔ جب بھی کوئی استفتاء آتا تو وہ اپنی صاحب زادی سے مشورہ کرتے، فاطمہ جواب تیار کرتیں اور اس پر دونوں باپ بیٹی کے دستخط ہوتے۔ بعد میں فاطمہ کا نکاح انکے والد کے شاگرد علاؤالدین الکاسانی سے ہوا جو اپنی تصنیف البدائع والصنائع کی وجہ سے پوری علمی دنیا میں مشہور ہیں۔ علامہ کاسانی کو کوئی مسئلہ بیان کرتے ہوئے جب وہم ہوتا تو فاطمہ ان کی تصحیح کر دیتی تھیں اور وہ اسے قبول کرتے تھے۔

علمی میدان کے علاوہ سائنسی دنیا میں بھی متعدد خواتین کے نام نمایاں ہیں جن میں سے چند کا ذکر حسبِ ذیل ہے:

1۔ زبیدہ بنتِ جعفر المنصور اپنے دور کی ایک مشہور سائنسدان اور بغداد سے مکہ تک حجاج کے قافلوں کی گزرگاہوں پر کنویں اور سروس سٹیشنز کی تعمیر کے ایک بہت وسیع پروجیکٹ کی بانی ہیں۔

2۔ العجلیہ انجینئر تھیں جنھوں نے حلب میں اصطرلاب بنائے۔ (اصطرلاب ایک آلہ ہے جسے ماہرین فلکیاتی پیمائشوں کیلئے استعمال کرتے ہیں۔)

یہ اسلام کا دورِ عروج تھا جب خواتین کا علمی مقام بہت بلند تھا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، مسلمان دینی تعلیمات سے دور ہوتے چلے گئے۔ یہی چیز مسلمانوں کے زوال کا باعث بنی۔ لاعلمی یا کم علمی کے باعث بہت سی جگہوں پر پردے کے احکامات کو بنیاد بنا کر عورت کو تعلیم سے دور کر دیا گیا۔ حالانکہ اسلام میں پردے کے احکامات تو گھر سے باہر نکلنے کیلئے ہی ہیں۔ گھر میں بند رکھنا مقصود ہوتا تو پردے کے احکامات کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جب خواتین علم سے دور ہوئیں تو نسلوں کی تعلیم و تربیت متاثر ہونے لگی۔

دورِ حاضر میں تعلیمِ نسواں اور خواتین کا کردار

ہر دور کی طرح دورِ حاضر میں بھی بے شمار ادارے خواتین کی تعلیم کے حوالے سے کاوشوں میں مصروف ہیں۔ مسلمان خواتین میں حصولِ تعلیم کا رجحان بہت بڑھ چکا ہے۔ امریکہ میں اس وقت سب سے زیادہ مسلمان خواتین کالج سے ڈگری یافتہ ہیں جو کہ 42٪ ہیں۔ جبکہ کل امریکی خواتین صرف 29٪ ہیں جو کالج کی ڈگری یافتہ ہیں۔ اس وقت بے شمار خواتین اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اہم ترین عہدوں اور پیشوں میں خدمات انجام دیتی رہی ہیں اور مسلسل دے رہی ہیں۔ یہ فہرست اتنی لمبی ہے کہ ان تمام خواتین کا ذکر یہاں ممکن نہیں ہے۔

اسلام نے کبھی بھی عورتوں پر علم کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ حوصلہ افزائی ہی کی ہے۔ اسلام کی صحیح فکر ان اذہان کی تردید کرتی ہوئی نظر آتی ہے جنھوں نے عورتوں کیلئے علم کے راستے بند کرنے کی کوشش کی۔

لیکچر نمبر 29: اسلام اور سائنس- I

(ماڈیول 1- 123: اسلام، قرآن اور سائنس کا باہمی تعلق)

سائنس کا مفہوم: سائنس بنیادی طور پر ایک منظم طریقہ کار کے تحت کسی بات کو جاننے یا اس کا علم حاصل کرنے کا نام ہے۔ سائنس میں مطالعے کا طریقہ اور اس کے نتائج دونوں کو دہرایا جاسکتا ہے یعنی وہ قابل تکرار (replicable) ہوتے ہیں۔ سائنس اس کائنات کے مطالعے کا نام ہے جو ہمارے مشاہدے یا تجربے میں آسکتی ہے یا آتی ہے۔ قرآن مجید اسلام کی نمائندہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کیلئے آخری کلام ہے۔ چونکہ اس کے بعد اور کوئی الہامی کتاب نازل نہیں ہوگی اس لیے قیامت تک کے حالات و واقعات اور عقلی و نقلی علوم کو اس کتاب میں اجمالی طور پر سمو دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** (النحل، 16 : 89) "اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے۔" شئ کے لفظ کا اِطلاق کائنات کے ہر وُجود پر ہوتا ہے اور اللہ نے ہر شئ کا ذکر قرآن میں بیان فرما دیا ہے۔ ایک اور آیتِ مبارکہ ہے: **وَتَفْصِيلَ كُلَّ شَيْءٍ (یوسف: 111)** اور (قرآن) ہر شئے کی تفصیل ہے۔

متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دہرایا ہے: **مَّا فَرَّطْنَا فِي الكِتَابِ مِن شَيْءٍ** (الانعام، 6 : 38) ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جسے صراحۃً یا کنایۃً بیان نہ کر دیا ہو)۔

درج ذیل آیتِ مبارکہ قرآن کی جامعیت بیان کرتی ہے: **وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ۔** (الانعام، 6 : 59) اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے)۔

اس آیتِ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صراحتاً، اشارتاً یا اجمالاً فرما دیا ہے۔ کیونکہ کائناتِ ارض و سماء کا کوئی وُجود اور کوئی ذرّہ ایسا نہیں جو خشکی یا تری کے علاوہ کسی تیسری حالت میں ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: کائنات کی کوئی شئ ایسی نہیں جس کا ذکر یا اُس کی اصل قرآن سے ثابت نہ ہو۔ (الاتقان:126:2) یہ بات تو طے ہوگئی کہ قرآن پاک اس کائنات کی ایک جامع کتاب ہے تو اب ہمیں یہ جاننا ہے کہ سائنس کی اسلام اور قرآن کے نزدیک کیا حیثیت ہے۔ اور یہ کہ سائنسی کی ترقی یافتہ تحقیقات اسلام سے متصادم ہیں یا سائنس آج جہاں پہنچی ہے خالقِ کائنات نے چودہ سو سال پہلے ہی اپنے کلام میں وہ حقائق بیان فرما دیئے ہیں: **إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾** (آل عمران، 3 : 190، 191) "بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کیلئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کار فرما اُس کی عظمت اور حسن کے جلوؤں) میں فکر کرتے رہتے ہیں۔ (پھر اُس کی معرفت سے لذّت آشنا ہو کر پکار اُٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تونے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا۔ تو (سب کوتاہیوں اور مجبوریوں سے) پاک ہے، ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے"۔

اس آیتِ مبارکہ میں عقلِ سلیم رکھنے والوں کی دو نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں:

۱۔ جو اُٹھتے، بیٹھتے ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔ (مذہب)

۲۔ اس کائنات اور زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (سائنس)

مطلب اللہ کی نگاہ میں عقل والے لوگ وہ ہیں جو اللہ کی یاد سے بھی جڑے رہتے ہیں اور اس کائنات میں غور وفکر کر کے اس کی عظمت وحکمت کا مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں۔

جدید سائنسی تحقیقات کا قرآنی آیات کی تصدیق کرنا

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾ اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا، اور ہم نے (زمین پر) پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (قرآن کے بیان کردہ اِن حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے،(30) اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ بنا دیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ (اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے) انہیں لے کر کانپنے لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ (مختلف منزلوں تک پہنچنے کے لئے) راہ پا سکیں،(31) اور ہم نے سماء (یعنی زمین کے بالائی کرّوں) کو محفوظ چھت بنایا (تاکہ اہلِ زمین کو خلا سے آنے والی مہلک قوتوں اور جارحانہ لہروں کے مضر اثرات سے بچائیں) اور وہ اِن (سماوی طبقات کی) نشانیوں سے رُوگرداں ہیں،(32) اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو (بھی)، تمام (آسمانی کرّے) اپنے اپنے مدار کے اندر تیزی سے تیرتے چلے جاتے ہیں،(33)

(ماڈیول 2- 124: تخلیقِ کائنات اور اُس کا تشکیلی نظام)

تخلیق کائنات کا سائنسی اور قرآنی نظریہ(Big Bang Theory)

بگ بینگ تھیوری اس کائنات کے معرضِ وجود میں آنے کی تھیوری ہے۔ ایک اندازہ ہے کے مطابق تقریباً 13.8 بلین سال پہلے کائنات ایک سمٹے ہوئے واحد مادے کی صورت میں تھی۔ یہ ابتدائی مادہ جس کو بعض سائنس دانوں نے سپر ایٹم کا نام دیا ہے، اس کے تمام اجزاء اندر کی طرف شدت سے کھنچے ہوئے تھے۔ بگ بینگ کے مطابق یہ پوری کائنات ابتداء میں ایک بہت بڑے تودے کی شکل میں تھی (زمین و آسمان باہم پیوست تھے) اور پھر ایک عظیم دھماکے کے نتیجے میں جسے بگ بینگ کہا جاتا ہے، تمام اجزاء الگ الگ ہو گئے۔ جس سے کہکشائیں اور تمام تر وجود ظہور میں آئے۔ یہ دھماکہ کوئی اتفاق نہیں تھا کیونکہ اس کے نتیجے میں ستارے، سیارے اور کہکشائیں اس قدر احسن انداز میں ترتیب سے وجود میں آئیں کہ دیکھ کر یہ کائنات بنانے والے کی کاریگری پر حیرت ہوتی ہے۔ بگ بینگ اگر اتفاقیہ حادثہ ہوتا تو اس کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آنے والی کائنات میں اس قدر نظم و ضبط نظر نہ آتا۔ اس کائنات کے آغاز کے حوالے سے سینکڑوں سائنسدان جدید ٹیکنالوجی کے استعمال اور اربوں ڈالر کے اخراجات کے ساتھ جس نتیجے پر پہنچے، قرآن میں اس کائنات کے خالق نے ارشاد فرمایا: **أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا** (الانبیاء، 21 : 30)"اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اِکائی (singularity) کی شکل میں جڑے ہوئے تھے، پس ہم نے اُنہیں پھاڑ کر جدا کر دیا"۔

رب کائنات نے چودہ سو سال پہلے قرآن میں یہ حقائق بیان فرما دیئے جہاں انسانی عقل آج پہنچی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

توسیعِ کائنات (Expanding Universe)

توسیعِ کائنات کا سائنسی نظریہ

ماہرِ فلکیات ایڈوِن ہبل (Edwin Hubble) نے پہلی بار یہ اِنکشاف کیا کہ ہماری کہکشاں اِکلوتی نہیں ہے۔ کائنات میں دُوسری بہت سی کہکشائیں بھی موجود ہیں، جو ایک دُوسرے کی مخالف سمت میں یوں حرکت کر رہی ہیں کہ آپس میں فاصلہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُن کی رفتار میں بھی اِضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسا

دِکھائی دیتا ہے کہ کہکشاؤں کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ پوری کائنات بھی پھیلتی چلی گئی ہے اور کہکشاؤں کے مابین پایا جانے والا فاصلہ بھی مسلسل بڑھ رہا ہے۔ 1965ء میں دو امریکی ماہرینِ طبیعیات 'آرنو پنزیاس' (Arno Penzias) اور 'رابرٹ وِلسن' (Robert Wilson) نے اُسے ثابت کیا۔ یہ دونوں سائنسدان امریکہ کی ریاست نیوجرسی میں واقع 'بیل فون لیبارٹریز' میں کام کرتے تھے، جنہیں 1978ء میں نوبل پرائز سے بھی سرفراز کیا گیا۔ اس دور کے عظیم سائنسدان سٹیفن ہاکنگ جن کا شمار اس صدی کے چوٹی کے سائنسدانوں میں ہوتا ہے توسیعِ کائنات کی دریافت کے متعلق کہتے ہیں:

" The discovery that the universe is expanding was one of the great intellectual revolutions of the 20th century."

توسیعِ کائنات کا قرآنی نظریہ

یہ بات اِنتہائی قابلِ توجہ ہے کہ سائنس نے جو دریافتیں بیسویں صدی، بالخصوص اُس کی چند آخری دہائیوں میں حاصل کی ہیں، قرآنِ مجید اُنہیں آج سے 1400 سال پہلے بیان کر چکا ہے۔ قرآنِ مجید نے کائنات کی وُسعت پذیری کا اُصول سورۂ فاطر میں کچھ اِس طرح سے بیان کیا ہے: **الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ . . . يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (فاطر، 35 : 1)** "تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کو (بلانمونے کے اِبتداءً) بنانے والا ہے۔۔۔ وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا جاتا ہے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادِر ہے"۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (الذّاريات، 51 : 47) " اور آسمانی کائنات کو ہم نے بڑی قوت کے ذریعہ سے بنایا اور یقیناً ہم (اس کائنات کو) وسعت اور پھیلاؤ دیتے جا رہے ہیں"۔

"لَمُوسِعُون" کا لفظ خود وُسعت پذیری کے معنی پر واضح دلالت کرتا ہے۔ اِس آیتِ کریمہ نے دوٹوک انداز میں واضح کر دیا کہ کائنات، جسے اللہ ربّ العزّت نے طاقت اور توانائی کے ساتھ تخلیق کیا ہے، وسیع تر انداز میں ہر سمت پھیلتی اور بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ قرآنِ مجید وُسعت پذیری کے عمل کو تخلیقِ کائنات کا تسلسل قرار دیتا ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن کریم کا بہت بڑا سائنسی معجزہ ہے۔ اقبال شائد اسی آیتِ مبارکہ سے متاثر ہو کر کہتے ہیں

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکوں

(ماڈیول 3– 125: تخلیقِ انسانی اور اُس کا تشکیلی نظام)

انسانی تخلیق کے ارتقاء کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو سائنس جدید تحقیقات کی روشنی میں آج جس نتیجے پر پہنچی ہے خالقِ کائنات نے چودہ سو سال پہلے وہ بات اپنے کلامِ پاک میں بیان فرما دی تھی۔

تخلیق انسانی کے دو پہلو ہیں: 1۔ کیمیائی ارتقاء (Chemical Evolution) 2۔ حیاتیاتی ارتقاء (Biological Evolution)

1۔ کیمیائی ارتقاء **(Chemical Evolution)**

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر سات مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے۔

قرآنِ مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اِنسانی زندگی کا کیمیائی اِرتقاء کم و بیش سات مرحلوں سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا جو درج ذیل ہیں:

I۔ تراب: مٹی **وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ (الروم:20)**

Ii۔ ماء: پانی **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبياء:30)**

Iii۔ طین: گارا **هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ (الانعام: 2)**

Iv۔ طین لازب: چپکنے والا گارا **إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ۔ (الصافات:11)**

v۔صلصال من حماء مسنون: سیاہ بودار خشک بجنے والا گارا **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (الحجر:26)**

vi۔صلصال کالفخار (ٹھیکری کی طرح بجنے والا)**خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ (الرحمٰن:14)**

vii۔سلالہ من طین: مٹی کے کیمیائی اجزاء کا خلاصہ: Extract of purified clay.. **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ۔ (المومنون:12)**

اگر عقل انسانی اس پر غور کرے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ مٹی اور پانی کے ملاپ کی مختلف شکلیں ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید پروسیس ہوتی رہیں اور آخر کار پہلے وجودِ انسانی یعنی حضرت آدمؑ کی تخلیق عمل میں آئی۔

2۔حیاتیاتی ارتقاء**(Biological evolution)**

اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیتِ مبارکہ میں وضاحت فرمائی ہے:**ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا۔ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون۔ 23: 14-12)** ” پھر ہم نے اس نطفہ کو (رحمِ مادر کے اندر جونک کی صورت میں) معلّق وجود بنا دیا، پھر ہم نے اس معلّق وجود کو ایک (ایسا) لوتھڑا بنا دیا جو دانتوں سے چبایا ہوا لگتا ہے، پھر ہم نے اس لوتھڑے سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت (اور پٹھے) چڑھائے، پھر ہم نے اسے تخلیق کی دوسری صورت میں (بدل کر تدریجاً) نشوو نما دی، پھر اللہ نے (اسے) بڑھا (کر محکم وجود بنا) دیا جو سب سے بہتر پیدا فرمانے والا ہے“۔

آج سائنسی تحقیقات اور جدید مشینری کے مشاہدات سے پیدائشِ انسانی کے یہ مراحل ثابت ہو چکے ہیں جبکہ انسان کو پیدا کرنے والے خالق نے چودہ سو سال پہلے اپنے کلام میں انسان کی تخلیق کے ان مراحل کا ذکر فرما دیا تھا۔ کینیڈا یونیورسٹی آف ٹورانٹو میں شعبہ جینیات کے پروفیسر اور صدر علم تشریح الاعضاء پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور ہیں۔ان سے ممتاز یمنی عالم شیخ عبدالمجید ندانی نے تبادلہ خیال کیا اور ان کے سامنے انسانی تخلیق وارتقاء سے متعلق قرآن و حدیث کے حوالے بیان کر کے ان کی رائے لی۔انہوں نے بغور جائزہ لینے کے بعد بتایا کہ علم جینیات کے متعلق قرآن اور مستند احادیث سے جتنی معلومات حاصل کی گئی ہیں وہ جدید سائنسی تحقیق کے عین مطابق ہیں اور ان میں کہیں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔اس کے بعد انہوں نے 3 صفحات پہ مشتمل ایک مقالہ لکھا جس میں انہوں نے قرآن کی حقانیت اور سائنس کی عاجزی کا برملا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

“Statements referring to human reproduction and development are scattered throughout the Qur'an. It is only recently that the scientific meaning of some of these verses has been appreciated fully. This interpretation of the verses in the Qur'an referring to human development would not have been possible in the 7th century AD, or even a hundred years ago. We can interpret them now because the science of modern embryology affords us new understanding. Undoubtedly there are other verses in the Qur'an related to human development that will be understood in the future as our knowledge increases.”

(ماڈیول 4- 126: تسخیرِ ماہتاب)

تسخیرِ ماہتاب یعنی چاند پر اترنے کا واقعہ انسانی ترقی کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ جولائی 1969ء میں امریکہ کے خلائی تحقیقاتی اِدارے 'ناسا (National Aeronautic Space Agency) کے تحت تین سائنس دانوں کے ہاتھوں تسخیرِ ماہتاب کا عظیم تاریخی کارنامہ انجام پذیر ہوا۔ اُس واقعہ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے قرآن نے چودہ سو سال پہلے اعلان کر دیا تھا: وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (الانشقاق، 84 : 18 – 20)

اور قسم ہے چاند کی جب وہ پورا دکھائی دیتا ہے o تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری کرتے ہوئے جاؤ گے o تو اُنہیں کیا ہو گیا ہے کہ (قرآنی پیشین گوئی کی صداقت دیکھ کر بھی) اِیمان نہیں لاتے۔"

اِن تینوں آیات کا باہمی ربط دیکھیں اور سیاق وسباق پر غور کریں تو بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں۔ اِس سورت میں قیامت سے پہلے رُونما ہونے والے حادثات اور واقعات کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا آیات سے پہلے اَجرامِ فلکی، کائناتی نظام اور بالخصوص نظامِ شمسی کے اہم پہلوؤں کا بیان ہے۔ پھر مختلف قسمیں کھائی گئی ہیں، کبھی شفق کی اور کبھی رات کی، تیسری قسم چاند کی ہے۔ اُس کے بعد اِرشاد فرمایا گیا کہ تم یقیناً ایک طبق سے دُوسرے طبق تک پہنچو گے، یعنی تم طبق در طبق پرواز کرو گے۔ "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" سے پہلے متصلاً قرآنِ حکیم کا چاند کی قسم کھانا اِس اَمر کی طرف واضح اِشارہ ہے کہ آگے بیان ہونے والی حقیقت چاند سے ہی متعلق ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چاند کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے طبق کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر طبق کی بجائے چاند کہا جاتا تو انسان کا خلائی سفر صرف چاند تک محدود ہو جاتا۔ طبق عن طبق (ایک کُرہ سے دوسرے کُرہ کی طرف) کا لفظ استعمال کر کے انسان کے سامنے راہیں لامحدود کر دی گئیں۔

لترکبنّ، کا معنی ہے کسی چیز پر سوار ہونا۔ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت جس پر پاؤں رکھا جاتا ہے اُسے بھی اِسی وجہ سے رکاب کہتے ہیں۔ گویا لَتَرْكَبُنَّ کا لفظ اِس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اُوپر جانا کسی سواری کے ذریعے ہوگا۔ اِمام راغب اِصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رکوب: اصل میں اِنسان کے کسی حیوان پر سوار ہونے کو کہتے ہیں لیکن اس کا اِستعمال جہاز پر بھی ہوتا ہے۔ لَتَرْكَبُنَّ کے آخر میں جو تشدید والا نون آیا ہے وہ اس واقعہ کے یقینی عمل میں آنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی یہ واقعہ ہو کر رہے گا۔ لَتَرْكَبُنَّ جمع کا صیغہ ہے اور صیغہ جمع عام طور پر عربی زبان میں کم از کم تین کے لئے اِستعمال ہوتا ہے جس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوگئی کہ لَتَرْكَبُنَّ کے فاعل (پرواز کرنے والے) کم از کم تین اَفراد ہوں گے۔ فما لھم لایومنون۔ اشارہ ہے کہ سفر کرنے والے غیر مسلم ہوں گے۔ یہ آیت پیشین گوئی کے اعتبار سے ایک چیلنج ہے جسے انسانی آنکھ نے پورا ہوتے دیکھا۔

(ماڈیول 5- 127: آبی چکر، شمس و قمر کی حرکت اور دو باہم ملے ہوئے سمندر)

آبی چکر: ((water cycle "سورج کی روشنی ہماری زمین پر موجود پانی کو گرم کرتی ہے اور پانی بخارات (water vapors) میں بدل جاتا ہے، گرم ہونے کی وجہ سے بخارات اوپر اٹھنے لگتی ہے جو اونچائی پر جانے کے بعد ٹھنڈی ہو کر چھوٹی چھوٹی بوندوں میں بدل جاتی ہے پھر یہ بوندیں ملکر ایک بادل بناتی ہیں اور بھاری ہو کر زمین پر بارش کی شکل میں برستی ہیں۔ بارش کا یہ پانی کچھ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور باقی چشموں، ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے دوبارہ سمندر میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح کرۂ ارض پر پانی کی مقدار یکساں رہتی ہے۔ یہ عمل مسلسل اسی طرح ہو رہا ہے جسے " آبی چکر "(water cycle) کہتے ہیں۔ انسان نے ان چیزوں کو آج سائنسی آلات اور جدید تحقیقات کے ذریعے سمجھا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے قرآنِ پاک میں ان کا ذکر فرما دیا تھا:

1۔"آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے یقیناً اِس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں"(سورہ الروم:24)

2۔"اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین میں ٹھیرا دیا ہم اُسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں"(سورۃ المؤمنون:18)

3۔ "بار آور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں، پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں، اور اُس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں۔" (سورۃ الحجر: 22)
بار آور سے مراد یہ ہے کہ ہوا، بادلوں کو ایک دوسرے کے قریب دھکیلتی ہے جس کی وجہ سے ان پر تکثیف (Condensation) کا عمل بڑھتا ہے جس کا نتیجہ بجلی چمکنے اور بارش ہونے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ آبی چکر کے حوالے سے درج ذیل آیت سب سے زیادہ جامع ہے۔
"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو (پہلے) آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس (کے مختلف ٹکڑوں) کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان خالی جگہوں سے بارش نکل کر برستی ہے، اور وہ اسی آسمان (یعنی فضا) میں برفانی پہاڑوں کی طرح (دکھائی دینے والے) بادلوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے ان اولوں کو گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے (مزید یہ کہ انہی بادلوں سے بجلی بھی پیدا کرتا ہے)، یوں لگتا ہے کہ اس (بادل) کی بجلی کی چمک آنکھوں (کو خیرہ کرکے ان) کی بینائی اچک لے جائے گی" (النور: 43)
ایک باشعور اور صاحبِ علم انسان جب اس طرح کائنات اور قرآنی آیات پر غور و فکر کرتا ہے تو اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے یہ کلام جو چودہ سو سال پہلے نازل ہوا، اس کائنات کے خالق کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا اور یوں سائنس اور قرآن کے درمیان ایک ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے جو کسی بھی لادین کو مذہب اور خالقِ کائنات کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ زمین و سورج وغیرہ کی حرکت: انسانی عقل کے ارتقائی ادوار میں اس حوالے سے کئی نظریات پیش ہوئے۔ کچھ لوگوں کا نظریہ تھا کہ ہر چیز ساکن ہے۔ کچھ سمجھتے تھے کہ سورج ساکن ہے اور پوری کائنات اس کے گرد حرکت کر رہی ہے۔ آج سائنسی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہیں کہ ہر چیز حرکت میں ہے اور تمام اجرامِ فلکی اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ حقیقت پہلے ہی بیان فرما دی تھی۔
وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (الانبیاء33) ترجمہ: اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے سب اپنے اپنے چکر میں پھرتے ہیں۔
وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یٰسٓ36: 38-40) ترجمہ: اور ہم نے چاند کی (حرکت و گردش کی) بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ (اس کا اہلِ زمین کو دکھائی دینا گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے، نہ سورج کی یہ مجال کہ وہ (اپنا مدار چھوڑ کر) چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے نمودار ہو سکتی ہے، اور سب (ستارے اور سیارے) اپنے (اپنے) مدار میں حرکت پذیر ہیں۔
دو سمندر، جن کا پانی آپس میں نہیں ملتا: آیتِ مبارکہ ہے: **مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (الرحمٰن 55: 19-20)** ترجمہ: اسی نے دو سمندر رواں کئے جو باہم مل جاتے ہیں، اُن دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے سو وہ (اپنی اپنی) حد سے تجاوز نہیں کر سکتے۔
سمندری تحقیقات کے ماہرین نے کچھ برس قبل ہی یہ دریافت کیا ہے کہ بحیرہ روم اور بحر اوقیانوس ایک مقام پر باہم متصل تو ہیں لیکن کیمیائی اور حیاتیاتی اجزاء میں فرق کی وجہ سے دونوں سمندروں کا پانی آپس میں نہیں ملتا بلکہ دونوں ساتھ ساتھ لیکن الگ الگ بہتے ہیں۔

لیکچر نمبر 30: اسلام اور سائنس- II

(ماڈیول 128: سائنسی ترقی و ترویج میں مسلم سائنسدانوں کا کردار)

قرآن حکیم نے اِنسانیت کو مذہبی حقائق سمجھنے کے لئے تعقّل و تدبّر اور تفکّر کی دعوت دی۔ اِسلامی تعلیمات کی بدولت ملنے والی ترغیب سے مسلمانوں نے علم کے میدان میں بے پناہ ترقی کی جبکہ یورپ کے باسیوں کو اس دور میں پینے کا صاف پانی بھی میسر نہ تھا۔ اموی اور عباسی دور میں لائبریریاں اور مراکز تراجم بنے اور اہلِ علم کی قدر افزائی کی گئی۔ مسلم سائنس دانوں کی علمی قابلیتوں اور کاوشوں نے سائنس کے نئے مضامین کے لئے بنیاد فراہم کی اور نئے راستے فراہم کئے۔

ہر دور میں مسلمان طب، فلکیات، حساب، الجبرا اور تقریباً ہر مضمون میں اپنی خدمات انجام دیتے رہے جن کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ علمِ ہیئت و فلکیات (Astronomy):: اس میدان میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اُنہوں نے یونانی فلسفے کے گرداب میں پھنسے علمِ ہیئت کو صحیح معنوں میں سائنسی بنیادوں پر اُستوار کیا۔ مغربی زبانوں میں اَب بھی بے شمار اَجرام سماوی کے نام عربی میں ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلم ماہرینِ فلکیات کی دریافت ہیں۔ عظیم مغربی مؤرخ Prof Philip K. Hitti مسلم ماہرِ فلکیات کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے: ”عرب ماہرین فلکیات نے آسمان پر اپنی صنعت کے لافانی نشانات چھوڑے ہیں جنہیں ہر وہ شخص جو ایک عام آسمانی کرہ پر ستاروں کے نام پڑھتا ہے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ عربی نژاد یورپی زبانوں میں نہ صرف ستاروں کے زیادہ تر نام ہیں، جیسے عقرب (اغرب، بچھو)، الجیدی (الجادی، بچہ)، الطیر (الطائر، اڑانے والا)، دینب (دھناب، دم)، پھیر قد (فرگڈ، بچھڑا)، بلکہ متعدد تکنیکی اصطلاحات، بشمول "نادر" (نذیر)، "زینتھ" (الصمت)، جیسے بِک ایٹمولوجی ہیں اور یورپ کے لیے اسلام کی بھرپور میراث کی گواہی دیتی ہیں۔“

- اندلس کے مسلمان سائنسدان ابنِ رشد، جسے مغرب میں Averroes کے بدلے ہوئے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نے سورج کی سطح کے دھبوں (sun spots) کو پہچانا۔
- کیلنڈر کی اِصلاحات ’عمر خیام‘ نے مرتب کیں۔
- سورج اور چاند کی گردش، سورج گرہن، علمُ المیقات اور بہت سے سیاروں کے بارے میں غیر معمولی سائنسی معلومات بھی البتانی اور البیرونی جیسے نامور مسلم سائنسدانوں نے فراہم کیں۔
- مسلمانوں کی علمُ المیقات (timekeeping) کے میدان میں خصوصی دِلچسپی کی وجہ یہ بھی تھی کہ اِس علم کا تعلق براہِ راست نمازوں اور روزوں کے معاملات سے تھا۔
- البتانی (877ء۔ 918ء) اور البیرونی (973ء۔ 1050ء) کا زمانہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا ہے، گویا یہ کام بھی آج سے گیارہ سو سال قبل اِنجام پذیر ہوئے۔

حساب **Mathematics, Algebra**: حساب، الجبراء اور جیومیٹری کے میدان میں ’الخوارزمی‘ کا نام اس علم کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے۔ حساب میں algorism یا algorithm کا لفظ الخوارزمی (al-Khwarizimi) کے نام سے ہی ماخوذ ہے۔ اُن کی کتاب ”الجبر والمقابلہ“ کا بارہویں صدی عیسوی میں عربی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ کتاب سولھویں صدی عیسوی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں بنیادی نصابی کتاب (textbook) کے طور پر پڑھائی جاتی رہی اور اُسی سے عالمِ مغرب میں الجبرا متعارف ہوا۔ اُس کتاب میں الخوارزمی نے integration اور ’مساوات (equation) کی آٹھ سو سے زائد مثالیں دیں۔

- یورپ میں" trigonometric functions " کا علم 'البتانی' کی تصانیف کے ذریعے اور tangents کا علم 'ابو الوفا' کی تصانیف کے ذریعے پہنچا۔
- صفر (zero) کا تصوّر مغرب میں متعارف ہونے سے کم از کم 250 سال قبل عرب مسلمانوں میں متعارف تھا اور وہ اس کا استعمال کرتے تھے۔
- ابو الوفاء، الکندی، ثابت بن القرّاء، الفارابی، عمر خیام، نصیر الدین طوسی، ابنُ البناء المراکشی، ابنِ حمزہ المغربی، ابو الکامل المصری اور ابراہیم بن سنان وغیرہ کی خدمات arithmetic، algebra، geometry اور trigonometry وغیرہ میں تاسیسی خدمات انجام دیں۔
- 'المراکشی' نے mathematics کی مختلف شاخوں پر 70 کتابیں تصنیف کی تھیں۔

مذکورہ بالا دلائل اور مزید ریفرنسز کے ساتھ فلپ Philip K. Hitti مسلمانوں کی حساب، الجبراء اور جیومیٹری میں خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"The Science of trigonometry, like algebra and analytical geometry, was largely founded by the Arabs"

طبیعیات، میکانیات اور حرکیات **Physics:Dynamics, Mechanics:** قرونِ وُسطیٰ کے مسلمان سائنسدانوں میں سے ابنِ سینا، الکندی، نصیر الدین طوسی اور ملا صدرہ کی خدمات طبیعیات کی بنیادوں میں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ بعد ازاں محمد بن زکریا رازی، البیرونی اور ابو البرکات البغدادی نے اُسے مزید ترقی دی۔

- الرازی نے علمِ تخلیقیات (cosmology) کو خاصا فروغ دیا۔
- حرکت (motion) اور سمتی رفتار (velocity) کی نسبت البغدادی اور ملا صدرہ کے نظریات و تحقیقات آج کے سائنسدانوں کے لئے بھی باعثِ حیرت ہیں۔
- ابنُ الہیثم نے density, atmosphere, measurements, weight, space, time, velocities, gravitation, capillary attraction جیسے موضوعات اور تصورات کی نسبت علمِ طبیعیات (physics) کیلئے بنیادی مواد فراہم کیا۔
- ابنُ الہیثم کی 'کتاب المناظر' (optical thesaurus) نے اِس میدان میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔

علمُ النباتات (**Botany**):: اس موضوع پر الدینوری (895ء) کی چھ جلدوں پر مشتمل کتابُ النبات سائنسی دُنیا میں سب سے پہلا ضخیم اور جامع Encyclopedia Botanica ہے۔ یہ مجموعہ اُس وقت تحریر کیا گیا جب یونانی کتب کا عربی ترجمہ بھی شروع نہیں ہوا تھا۔ مغربی سائنسی مورخ Strassburg لکھتا ہے:

"یہ اِنتہائی حیران کن بات ہے کہ زمانۂ قدیم میں لکھا جانے والا علمِ نباتات کا مواد ہمیں الدینوری کی کتاب جیسی صرف دو مثالیں پیش کرتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ تعلیمی زندگی کے اُس اِبتدائی دَور میں مسلمانوں نے قدیم یونان جیسے دانشور و محقق لوگوں کا درجہ حاصل کر لیا تھا بلکہ وہ اِس معاملے میں تو اُن سے بھی آگے نکل گئے تھے۔"

پروفیسر آرنلڈ کے مطابق دُنیا بھر سے مسلمانوں کے مکہ و مدینہ کی طرف حج اور زیارت کیلیے سفر نے biological science کو خاصی ترقی دی ہے۔

- الغفیقی اور الادریسی نے اندلس (Spain) سے افریقہ تک سفر کر کے سینکڑوں پودوں کی نسبت معلومات جمع کیں اور کتابیں مرتب کیں۔
- ابنُ العوام نے 585 پودوں کے خواص واَحوال پر مشتمل کتاب مرتب کی اور علمُ النباتات (botany) کو ترقی کی راہوں پر گامزن کیا۔
- عبداللہ بن عبد العزیز البکری نے 'کتاب اَعیان النبات والشجریات الاندلسیہ' کے نام سے اندلس کے درختوں اور پودوں کے خواص مرتب کئے۔
- اشبیلیہ کے ماہرِ نباتات، ابنُ الرومیہ نے اندلس کے علاوہ افریقہ اور ایشیا کے بیشتر ممالک کی سیاحت کی اور اُس دوران ملنے والے پودوں اور جڑی بوٹیوں پر خالص نباتی نقطۂ نظر سے تحقیقات کیں۔
- ابنُ البیطار، شریف اِدریسی اور ابنِ بکلارش بھی اندلس کے معروف ماہرینِ نباتات میں سے ہیں۔

علم الطب: (Medical Science)

اِس باب میں الرازی، ابو القاسم الزہراوی، ابنِ سینا، ابنِ رُشد اور الکندی کے نام سرِ فہرست آتے ہیں۔

مسلم سائنسدانوں نے اِسلام کے دورِ اَوائل میں ہی بڑے بڑے ہسپتال اور طبی اِدارے (medical colleges) قائم کر لئے تھے، جہاں علم الادویہ (pharmacy) اور علمُ الجراحت (surgery) کی کلاسیں بھی ہوتی تھیں۔

ایک ہزار سال پہلے، عالمِ اِسلام کے نامور طبیب 'الرازی' (930ء) نے علمُ الطب (medical science) پر 200 سے زائد کتب تصنیف کی تھیں۔ جن میں سے بعض کا لاطینی، انگریزی اور دُوسری جدید زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور اُنہیں صرف 1498ء سے 1866ء تک تقریباً 40 مرتبہ چھاپا گیا۔

Smallpox اور Measles پر بھی سب سے پہلے صحیح تشخیص 'الرازی' نے ہی پیش کی۔

ابو علی الحسین بن سینا (Avicenna) (1037ء) کی 'القانون' (Canon of Medicine) دُنیائے طب میں ایک عظیم شاہکار ہے۔ اِس کا ترجمہ بھی عربی سے لاطینی اور دیگر زبانوں میں کیا گیا اور یہ کتاب 1650ء تک یورپ کی بیشتر یونیورسٹیوں میں شاملِ نصاب رہی۔

ابو ریحان البیرونی (1048ء) نے pharmacology کو مرتب کیا۔ اِسی طرح علی بن عیسیٰ بغدادی اور عمار الموصلی کی اَمراضِ چشم اور ophthalmology پر لکھی گئی کتب اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اوّل تک فرانس اور یورپ کے medical colleges میں بطور textbooks شاملِ نصاب تھیں۔ ایک غیر مسلم مغربی مفکر E. G. Browne لکھتا ہے:

"جب عیسائی یورپ کے لوگ اپنے علاج کے لئے بتوں کے سامنے جھکتے تھے اُس وقت مسلمانوں کے ہاں لائسنس یافتہ ڈاکٹرز، معالجین، ماہرین اور شاندار ہسپتال موجود تھے۔ اِسلامی دُنیا میں دسویں صدی عیسوی سے ہی علم طب اور ادویہ سازی کو منظم اور مرتب کر دیا گیا تھا۔ ایک وقت ایسا تھا جب سنان بن ثابت بغداد میں ممتحنین کے بورڈ کے صدر تھے۔ ادوِیہ سازوں کو بھی با قاعدہ منظم کیا گیا تھا اور عربوں نے ہی سب سے پہلے میڈیکل سٹورز قائم کئے حتی کہ طبی نقطۂ نظر سے حجاموں کی دُکانوں کا بھی معائنہ کیا جاتا تھا۔ گیارہویں صدی میں سفری ہسپتالوں (mobile hospitals) کا بھی ذِکر ملتا ہے۔ 1284ء کے قریب دِمشق میں قائم شدہ عظیمُ الشان 'المنصور ہسپتال' موجود تھا۔ جس کے دروازے امیر و غریب، مرد و زن، غرض تمام مریضوں کے لئے کھلے تھے اور اُس ہسپتال میں عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وارڈ موجود تھے۔ ایک وارڈ مکمل طور پر بخار کے لئے (fever ward) ایک آنکھوں کی بیماریوں کے لئے (eye ward) ایک وارڈ سرجری کے لئے (surgical ward) اور ایک وارڈ پیچش (dysentery) اور آنتوں کی بیماریوں (intestinal ailments) کے لئے مخصوص تھا۔ علاوہ ازیں اُس ہسپتال میں باورچی خانے، لیکچر ہال اور اَدویات مہیا کرنے کی ڈسپنسریاں بھی تھیں اور اِسی طرح طب کی تقریباً ہر شاخ کے لئے یہاں اِہتمام کیا گیا تھا۔"